ماہنامہ

ضیائے حدیث

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

لاہور

دارالسلام

DARUSSALAM

دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

جلد: 21 | شمارہ: 11 | نومبر 2012ء / محرم 1434ھ





قرآنِ مجید

دین اور سیاست میں باہمی تعارض نہیں!

اقوام کے عروج کا سبب

واقعاتی اسلوب پر مبنی

انتہائی دلچسپ تحریر

مخلوط نظامِ تعلیم

علم عبادت نہیں بلکہ تجارت بن گیا ہے!!

ملالہ یوسف زئی

اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب اور حقوق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

چیف ایڈیٹر ——— عبدالمالک مجاہد

جلد:21 | شمارہ:11 | نومبر 2012ء / محرم 1434ھ

بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ ○ بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

وسعتِ دامان



تعلیم و تعلم 67

مخلوط نظامِ تعلیم

حافظ شبیر صدیق



گوشۂ خواتین 55

تعلیم سنت اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن

طارق جاوید عارفی



فہم حدیث 43

حدیث ثقلین کا مفہوم

مولانا محمد نافع مدظلہ



طب و سائنس 33

انسانی خون

ڈاکٹر طارق ریاض

اداریہ	سپر پاور کوئی اور ذات ہے!	عبدالمالک مجاہد	3
تجلیات قرآن	قرآن وحدیث میں آل بیت کے فضائل	الشیخ صالح بن عبداللہ	4
حرمت رسول ﷺ	اٹھ! کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے	ابراہیم کیلانی	11
احکام و مسائل	محرم الحرام میں بعض نئے کام	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	16
سیاسیات	دین اور سیاست	حافظ محمد حق نواز	20
کرنٹ افیئر	ملالہ یوسف زئی	انیس الرحمٰن	25
انٹرویو	علم عبادت نہیں بلکہ تجارت بن گیا ہے!	محمد ارسلان حجازی	28
طب و سائنس	انسانی خون	ڈاکٹر طارق ریاض	33
مکتوبِ الریاض	اقوام کے عروج کا سبب قرآنِ مجید	عبدالمالک مجاہد	36
افتاء و ارشاد	آپ کے مسائل اور ان کا حل	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	41
فہم حدیث	حدیث ثقلین کا مفہوم	مولانا محمد نافع مدظلہ	43
مکتوبِ امریکہ	بے انصافی وہ بھی اپنوں کے ساتھ	حافظ عبدالوحید سوہدروی	49
جدید فقہی مسائل	سود کیا ہے؟	حافظ عبدالسمیع	52
گوشۂ خواتین	تعلیم سنت اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن	طارق جاوید عارفی	55
گوشۂ اطفال	ننھے بچے نے ماں کو سبق سکھایا	اقبال صدیق	61
عالمِ اسلام	افغانستان: حریت پسندوں اور مجاہدوں کا دیس	محسن فارانی	62
تعلیم و تعلم	مخلوط نظامِ تعلیم	حافظ شبیر صدیق	67
معلومات	اخبار جہاں	نوید اسلام صدیقی	71

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون: سعودی عرب 100 ریال، یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 35 روپے | سالانہ زرِ تعاون: عام ڈاک صرف -/400 روپے، رجسٹری ڈاک -/800 روپے

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی | ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی

numanfaruqi@gmail.com

مجلس ادارت

مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ مسعود عالم | مولانا محمد خالد سیف
مولانا محمد اقبال کیلانی | حافظ محمد شریف | ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کیلانی
حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز | علی حماد فاروق

مجلس مشاورت

چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | انجینئر کاشف شہزاد باجوہ
حبیب الرحمٰن | محمد ایوب سپرا | ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر
مولانا محمد عبدالجبار | محمد طارق شاہد | حافظ مطیع الرسول | عکاشہ مجاہد

مجلس نظامت

حافظ عبدالعظیم اسد | ڈاکٹر امان اللہ بھٹی | پروفیسر محمود الحسن بزمی
قمر الحمید فیصل | ملک شوکت علی | عبدالغفار مجاہد
حبیب کبریا | شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | نجم المجید

مجلس معاونت

طارق جاوید عارفی | تنویر احمد | عمار فاروق سعیدی | مختار احمد ضیا
حافظ محمد ندیم | حذیفہ نصیر گوندل | محمد یوسف سلفی | موسیٰ کلیم کریسی

آرٹ اینڈ ڈیزائن

محمد شفقت الٰہی (آرٹ ڈائریکٹر) | ہارون الرشید (گرافک ڈیزائنر) | قانونی مشیر

خطاطی اکرام الحق | کمپوزنگ ابو مصعب | ملک نور محمد سرفراز

خط و کتابت: دفتر ماہنامہ ضیائے حدیث، 36۔ لوئر مال، لاہور

بینک اکاؤنٹ: ضیائے حدیث اپنے نام جاری کروانے اور نہ کٹنے کی صورت میں
A/C Title: Monthly Zia-e-Hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd.
Session Court Branch Lahore.
Br. Code. 1317

+ 92 42 372 32 400
+ 92 300 70 71 823
+ 92 313 75 79 034
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر محمد ادریس فاروقی | سنہ اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور

پرنٹر ادارہ دائرۃ السلام پرنٹنگ پریس، 36۔ لوئر مال، لاہور 042-37324034

Fax: +92 42 373 54 072

اداریہ

سپر پاور کوئی اور ذات ہے!

میرے سامنے 31 اکتوبر 2012ء کا اردو نیوز پڑا ہے۔اخبار کی سب سے بڑی سرخی کچھ یوں ہے: ''امریکہ مفلوج، نیویارک آفت زدہ قرار، ایٹمی پلانٹس، ریفائنریز بند، عمارتوں میں آتشزدگی۔ سپر طوفان سے نیویارک کا ریلوے سسٹم تباہ۔ نیوجرسی میں ڈیم ٹوٹ گیا۔ کئی علاقوں میں 13 فٹ تک پانی۔ 13 ریاستوں میں 68 لاکھ افراد بجلی سے محروم، کئی ریاستوں میں برفباری، 38 ہلاک۔ سیکڑوں زخمی۔ نیشنل گارڈز تعینات۔ فوج الرٹ۔ 50 ارب ڈالر کا نقصان ہوسکتا ہے۔''

اگلے روز کے اخبارات میں بڑی تفصیل سے امریکہ میں ہونے والی تباہ کاریوں کا ذکر تھا۔ جس کے مطابق نیویارک کا 108 سال پرانا ریلوے سسٹم تباہ ہو چکا ہے۔ کئی علاقوں کا مرکزی شہروں سے رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔ اہم بندرگاہیں اور ہوائی اڈے بند ہیں جبکہ دوسرے دن بھی ہزاروں پروازیں منسوخ کردی گئی ہیں۔ لاکھوں افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔ سینڈی طوفان (Sandy Harricane) سے 20 فی صد آبادی متاثر ہوئی ہے۔ نیوجرسی اور لانگ آئی لینڈ کو بھی آفت زدہ قرار دے دیا گیا ہے۔ نیویارک میں 100 سال سے زائد عرصہ کے بعد پہلی بار سیلابی پانی زیرزمین راستوں میں بھی گھس گیا ہے۔ مختلف علاقوں میں شدید برفباری ہورہی ہے۔ اب تک 17 انچ برف پڑ چکی ہے۔ ایک مکان میں لگی آگ نے دیکھتے ہی دیکھتے 50 مکانات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ طوفان سے 6 کروڑ افراد متاثر ہوئے ہیں۔ 50 ارب ڈالر سے زائد نقصان ہو چکا ہے۔ ہلاکتوں کی تعداد ایک سو تک پہنچ گئی ہے۔ سیکڑوں لوگ ابھی تک لاپتہ ہیں جن کے زندہ یا مردہ ہونے کی کوئی خبر نہیں۔ ایک تصویر میں ایک کشتی دریا سے نکل کر ریلوے لائن پر ٹھہری ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی خبروں میں خاصی تفصیل ہے جسے میں نے قدرے مختصر کرکے لکھ دیا ہے۔

قارئین کرام! اگر خبر کو پڑھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ خبر امریکہ کی نہیں بلکہ کسی غریب اور غیر ترقی یافتہ ملک کی ہے کہ وہاں پر جب آسمانی آفات آتی ہیں تو اس قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اخبار میں طوفان کی بعض تصاویر بھی ہیں جن سے تباہی کی وسعت کو سمجھنے میں مزید مدد ملتی ہے۔ ایک دن میں ہونے والی یہ تباہی، بربادی، یقیناً امریکہ کو خاصا پیچھے لے گئی ہے۔ اس وقت یورپ سمیت امریکہ معاشی طور پر مفلوج ہورہے ہیں۔ مجھے اکتوبر کے شروع میں یورپ کے تین ممالک اٹلی، اسپین اور فرانس جانے کا اتفاق ہوا۔ بہت سارے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ جب بھی کاروباری حالات کی بات ہوئی، معیشت کی بات ہوئی تو ہر کوئی پریشان نظر آیا۔ لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ کی بجائے خوف سا طاری نظر آیا۔ ہر کوئی معاشی بحران کی بات کررہا تھا۔

یہ جو حالیہ امریکی طوفان آیا ہے، اس سے معاشی صورت حال اور خراب ہوگی۔ امریکی قوم کے افراد جو قرضوں کی لعنت میں جکڑے ہوئے ہیں مزید اس ذلت میں پھنس جائیں گے۔ جس شخص نے امریکہ دیکھا ہوا ہے وہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ وہاں بھی لوگ اندھیروں میں ڈوب جائیں گے اور ان کو بجلی سے محرومی کا سامنا ہوگا۔ کون یہ تصور کرسکتا تھا کہ ان کا سسٹم جس پر اس قوم کو ناز اور فخر ہے آناً فاناً اور تباہی کے اس درجے کو جا پہنچے گا۔ بے شمار لوگ طوفان کے خطرے سے بچنے کے لیے اپنے گھروں کو چھوڑ کر محفوظ مقامات پر گئے تو پیچھے ان کے گھروں کو لٹیروں نے لوٹنا شروع کردیا۔ یہ اس قوم کا عالم ہے جو تہذیب اور تمدن کے اعتبار سے اپنے آپ کو دنیا کی سب سے اعلیٰ قوم سمجھتی ہے۔

میں اخبار سامنے رکھے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ذہن میں اچانک خیال آیا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ ''ہم آفاق میں بھی اور ان کی اپنی جانوں میں انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر واضح ہوجائے کہ یہ دین برحق ہے۔'' (حم السجدۃ 53:41)

ابھی دو ماہ پہلے ہی اس قوم نے اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں ہرزہ سرائی کی ہے۔ پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے بارے میں ایک ابلیسی فلم بنا کر جو ہتک آمیز رویہ اور الفاظ اس قوم نے استعمال کیے تھے ان کو یہاں لکھنے کی ہمت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں [illegible] ﴿إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ﴾ ''ان ٹھٹھا کرنے والوں کو ہم کافی ہیں۔'' (الحجر 95:15) پیغمبر اسلام کے ساتھ کفار کا یہ رویہ کوئی نیا [illegible]

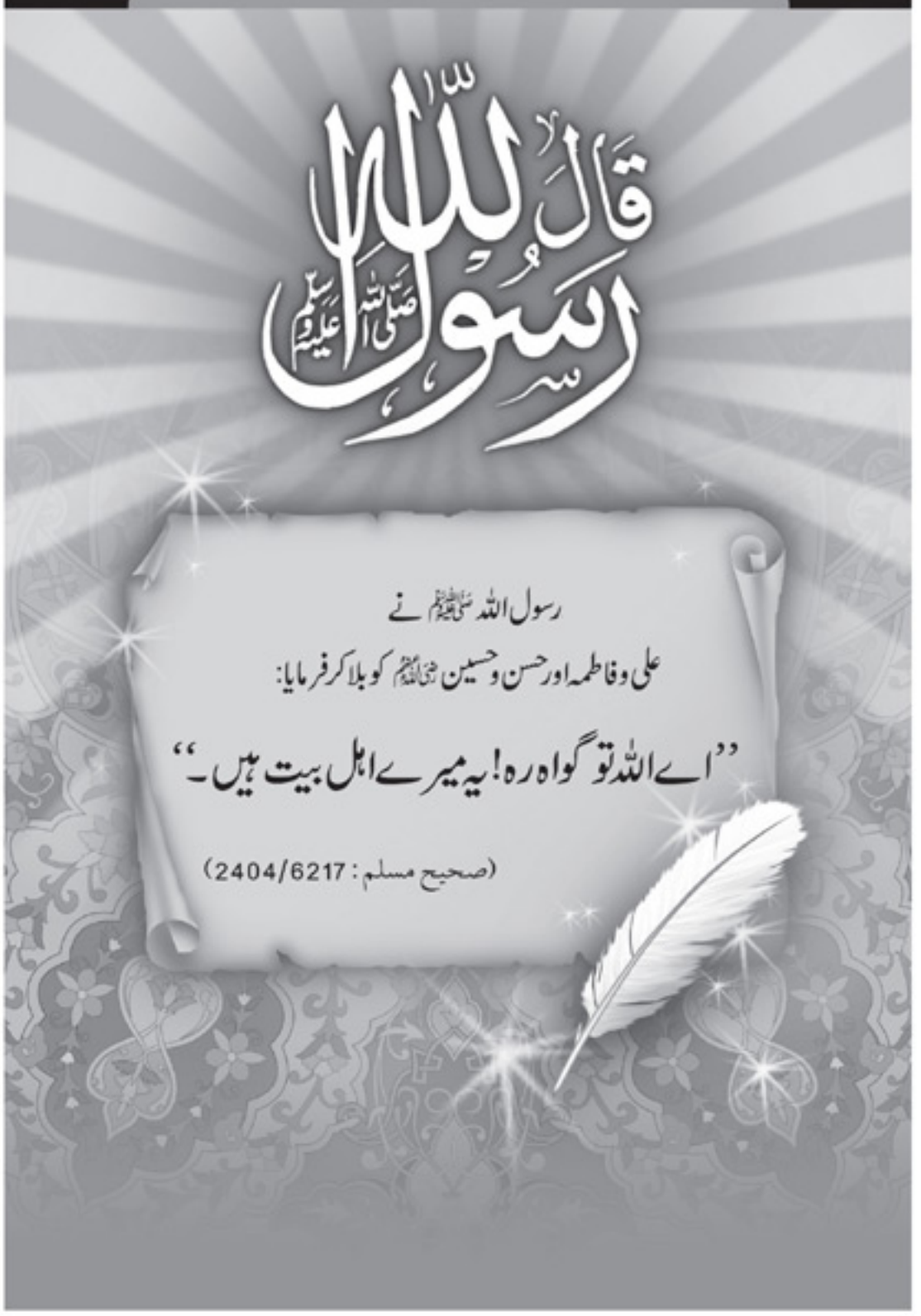
علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے والوں اور مذاق کرنے والوں کے لیے آپ ﷺ نے ان کا نام لے کر بد دعا دی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ سارے کے سارے بدر کے اندھے کنویں میں ذلت و بربادی کی تصویر بنے اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی توہین کرنے والے بدفطرت کافروں میں مکہ کے پانچ بدبخت نمایاں تھے۔ یہ لوگ اپنے قبیلوں میں معزز سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک بنو اسد سے تعلق رکھنے والا اسود بن مطلب تھا۔ اس نے ایک بار بہت تنگ کیا تو اللہ کے رسول نے اس کے خلاف دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کو اندھا کر دے اور اس کا بیٹا اس سے چھین لے۔'' دوسرا بڑا مجرم بنو زہرہ سے اسود بن عبد یغوث تھا۔ تیسرا بدبخت بنو مخزوم سے ولید بن مغیرہ تھا۔ چوتھا عاقبت نا اندیش بنو سہم سے عاص بن وائل سہمی تھا، جبکہ پانچواں گستاخ بنو خزاعہ سے حارث بن طلاطلہ تھا۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دینے کا فیصلہ کیا تو ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ بیت اللہ شریف تشریف فرما تھے کہ جبریل امین آپ ﷺ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ وہاں کفار قریش بھی طواف کر رہے تھے۔ جب اسود بن مطلب گزرا تو جبریل علیہ السلام نے ایک سبز پتہ اس کے منہ پر دے مارا۔ اسی وقت اس کی بینائی جاتی رہی اور اللہ نے اس کو اس وقت تک زندہ رکھا جب تک بدر کے میدان میں اس کا بیٹا مجاہدین اسلام کے ہاتھوں قتل نہ ہو گیا۔ پھر اسود بن عبد یغوث گزرا تو جبریل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا، جس سے اس کا پیٹ پھول گیا اور اس میں پانی بھر گیا۔ وہ اسی بیماری کی اذیت میں رہا حتی کہ مر گیا۔ ولید بن مغیرہ گزرا تو جبریل نے اس کے قدم کی طرف اشارہ کیا۔ ولید کو خاصا عرصہ پہلے پاؤں میں ایک خراش آئی تھی، اس میں سے خون جاری ہو گیا، حتی کہ وہ مر گیا۔ جب عاص بن وائل گزرا تو جبریل علیہ السلام نے اس کی ایڑی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد اسے طائف جاتے ہوئے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا، اس کی ایڑی سوج گئی اور اس کے پورے جسم میں زہر پھیل گیا، وہ اسی سے مر گیا۔ حارث بن طلاطلہ گزرا تو جبریل علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے دماغ میں پیپ بھر گئی اور وہ کچھ عرصہ ایڑیاں رگڑنے کے بعد مر گیا۔ ان تمام مجرمین کو اپنے جرائم کا پتہ تھا اس لیے ان میں سے ہر ایک نے مرتے وقت یہ کہا: ''مجھے محمد کے رب نے قتل کر دیا ہے۔''

فلم ہو یا ہتک آمیز خاکے، اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں ان کی توہین کا ادنیٰ سا اشارہ نہ تو مسلمان برداشت کر سکتے ہیں نہ ہی اللہ تعالیٰ اسے معاف کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ علمائے کرام نے لکھا کہ اگر کوئی شخص اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتا ہے تو خواہ وہ توبہ بھی کر لے اسے جینے کا حق نہیں ہے۔ مذموم فلم کے خلاف دنیا بھر کے مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ جلسے جلوس، ریلیاں، نکالی گئیں۔ پاکستانی قوم اپنی ساری خامیوں کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں الحمدللہ بہت آگے ہے۔ یہ احتجاج جاری تھا کہ ''ملالہ'' کا قضیہ سامنے آ گیا۔ ہمارا میڈیا، حکومت، اپوزیشن، سرکاری و غیر سرکاری حلقے ملالہ کے پیچھے پڑ گئے۔ بلاشبہ یہ ایک افسوس ناک واقعہ تھا، لیکن کئی دفعہ میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ کہیں ایک سوچا سمجھا منصوبہ تو نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کے پہلو کو پس منظر میں ڈال دیا جائے اور سارا میڈیا اور سرکاری حلقے ملالہ کے گرد گھومتے رہیں۔ لوگ اگرچہ بھول جائیں مگر اپنے نبی کی توہین کو اللہ تعالیٰ نظر انداز نہیں کرتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی توہین کرنے والے یورپی ممالک کو امریکہ میں آنے والے اس سینڈی طوفان سے سبق لینا چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سپر پاور امریکہ یا یورپ نہیں بلکہ کوئی اور ذات ہے جو آسمانوں، زمینوں اور سمندروں پر حکومت کرتی ہے۔ ہمیں امریکی عوام کے ساتھ اس خسارے پر ہمدردی ہے، تاہم ہم امریکی حکومت سے کہتے ہیں: اب بھی باز آ جاؤ اور لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا رویہ ترک کر دو کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی مظلوم کے دل سے نکلنے والی آہ عرش الٰہی سے جا ٹکرائی ہو۔

محبکم عبدالمالک مجاہد

اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب اور حقوق

فضیلۃ الشیخ صالح بن عبداللہ الدرویش حفظہ اللہ



قرآن کی روشنی میں فضائل و مناقب

رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کی فضیلت، شان، قدر و منزلت اور ان کے عز و شرف کو قرآن میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: ''اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو، قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو، نماز قائم کرتی رہو، زکوٰۃ ادا کرتی رہو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری میں لگی رہو، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تم سے وہ ہر قسم کی گندگی کو دور کر دے اے اہلِ بیت اور تمھیں پاک باز بنا دے۔''

(الأحزاب 33:33)

آیت مذکورہ آل بیتِ رسول ﷺ کے مناقب و فضائل میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ''اہل بیت رسول'' کو عز و شرف کی اوج ثریا پر فائز فرمایا ہے اور (شرک، خرافات اور بدکرداری جیسی) ہر طرح کی گندگی اور آلودگی سے پاک کر دیا اور ان سے ہر قسم کی غلاظت کو کھرچ کر پھینک دیا ہے چاہے وہ گندگی کسی قبیل سے ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ صحیح مسلم میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ''نبی کریم ﷺ ایک دن صبح کے وقت باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر پر کالے اون سے بنی ہوئی چادر تھی۔ اسی اثنا میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو اس چادر میں داخل فرما لیا، اس کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں جگہ مرحمت فرمائی، اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی ردائے مبارک میں جگہ عنایت فرمائی اور پھر ان کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی چادر میں داخل کر لیا اور فرمایا: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ ''اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے وہ ہر قسم کی گندگی کو دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے۔''
(الأحزاب 33:33)

رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کی فضیلت پر دلالت کرنے والی نصوص میں سے ایک آیت مباہلہ (آل عمران 3:161) بھی ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ جب آیت ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ.....﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا: ''اے اللہ تو گواہ رہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔''
(صحیح مسلم:2404/6217)

احادیث کی روشنی میں فضائل

① حدیثِ غدیر

صحیح مسلم میں ہے کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن نبی کریم ﷺ خم نامی چشمہ پر تشریف لائے جو کہ (براستہ بدر پرانے روڈ پر جحفہ کے قریب) مکہ مدینہ کے درمیان ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور وعظ و تلقین کے بعد ارشاد فرمایا: ''لوگو! میں بھی تمھارے جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے رب کا فرشتہ میری رخصتی کا پروانہ لے کر آ جائے اور میں اپنے رب کے بلاوے پر اس سے ملاقات کی غرض سے چلتا بنوں، لیکن میں تمھارے درمیان دو بھاری بھرکم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے، جس میں نور ہی نور ہے، لہٰذا کتاب اللہ کو لے لو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔''

آپ نے کتاب اللہ پر عمل کی طرف توجہ دلائی اور اس کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی ترغیب دی۔ اس کے بعد فرمایا: ''میں تمھارے درمیان اپنے اہل بیت کو چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔''
(صحیح مسلم:2408/6225)

حدیث مذکور میں اہل بیت رضی اللہ عنہم کی فضیلت و اہمیت کا واضح طور پر بیان موجود ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اہل بیت کو دو نفیس اور قیمتی چیزوں کے ضمن میں شمار کر کے ان کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔ قرآن کریم پر مضبوطی سے جمے رہنے اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ کرنے کی وصیت کے ساتھ ضم کر کے بیان فرمایا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کی قدر و منزلت کی وضاحت کرتی ہے اور ان کے حقوق کی عظمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

② حدیثِ اصطفاء

سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے بنو کنانہ کو چنا۔ بنو کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا۔ قبیلہ قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب فرمایا اور قبیلۂ بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا ہے۔''
(صحیح مسلم: 2276/5938)

یہ حدیث بنو ہاشم کی فضیلت کی بین دلیل ہے اور خصوصاً بنو ہاشم میں سے نبی کریم ﷺ کی عظمت شان کی بھرپور غمازی کرتی ہے۔

③ احادیث درود

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ایک قوی سند کے ساتھ کسی صحابی کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ وہ اس طرح درود بھیجا کرتے تھے:
«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ، وَعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ، وَعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ» (مسند أحمد:374/5)

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اس دعا میں اس صحابی نے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات، آپ ﷺ کی اولاد اور اہل بیت کو جمع کر دیا ہے۔ اس میں آپ رضی اللہ عنہ نے آل بیت کا اس مخصوص انداز میں تذکرہ کیا ہے کہ آل بیت ہونے کی تعیین کا جو مسئلہ چلتا ہے اس کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے کہ حقیقت میں یہی لوگ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت ہیں اور ان کو کسی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے زمرے سے

خارج نہیں سمجھا جاسکتا۔
(جلاء الافهام، ص:338)

اسلاف اور فضائلِ اہل بیت

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''محمد رسول اللہ ﷺ کو اہل بیت کے آئینہ میں دیکھو۔'' (صحيح البخاري:3713)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قسم اس ذات اقدس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے رسول اللہ ﷺ کی قرابت داری اور رشتہ داری کا پاس و لحاظ رکھنا اپنے قرابت داروں اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔''
(صحيح البخاري:3712)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ''اللہ کی قسم! جس دن تم نے اسلام قبول کیا اس دن میرے نزدیک تمھارے اسلام لانے سے بڑھ کر کوئی چیز باعث مسرت نہ تھی۔ چاہے وہ میرے باپ خطاب ہی کا اسلام کیوں نہ ہوتا اگر وہ اسلام قبول کر لیتے، کیونکہ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ نبی کریم ﷺ تمھارے اسلام کے خواہاں تھے۔''
(تفسیر ابن کثیر:199/6)

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کسی سواری پر سوار ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی مہار تھامنا چاہی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی! براہ کرم آپ ایسا نہ کریں۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا: ہم کو اپنے علمائے کرام اور فضلائے عظام کے ساتھ اسی طرح ادب و احترام سے پیش آنے کی تربیت دی گئی ہے۔ جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہما کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہم کو اہلِ بیتِ رسول ﷺ کے ساتھ اسی طرح ادب و احترام روا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔'' (البداية والنهاية:301/8)

ایک مرتبہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔ ابوہریرہ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کے بطن مبارک کو بوسہ دیا تھا۔ میں آپ رضی اللہ عنہما سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم آپ اپنے بطن مبارک کا وہ حصہ کھول دیں جس حصہ پر اللہ کے رسول ﷺ نے بوسہ دیا تھا تاکہ میں بھی اس حصہ کو چومنے کی سعادت حاصل کر سکوں۔'' راوی فرماتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہما نے اپنا بطن مبارک کھول دیا اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے اس کو بوسہ دیا۔
(مسند أحمد: 255/2)

آل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق

بلاشبہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کی رو سے امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت کے بہت سے شرعی حقوق عائد ہوتے ہیں۔ قارئین کرام کے استفادہ کی غرض سے ہم یہاں ان میں سے چند حقوق کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

① امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ان سے ان کے ایمان، رسول اللہ ﷺ سے قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے دوستی اور محبت کی جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے امت مسلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: میں تم کو اپنے اہل کا پاس ولحاظ رکھنے کے سلسلے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لاَ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ ''اے نبی! آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت اور رشتہ داری کا لحاظ رکھو۔''
(الشوریٰ 23:42)

آیت مذکورہ کا ایک تو ظاہری مطلب ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت کی تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمھارے درمیان جو رشتہ اور تعلق ہے اس کا پاس و لحاظ ضرور رکھو۔ تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو تمھاری مرضی لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو تاکہ میں بحسن وخوبی فریضہ رسالت ادا کر سکوں۔

② امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ ان کی عزت و آبرو کا دفاع کرے۔ اگر کوئی ان کی ہرزہ سرائی کرنے کے درپے ہو تو اس کو اس عمل سے روکا جائے اور اگر کوئی آل بیت کے راستے میں روڑا بن کر آتا ہے تو امت مسلمہ پر حق بنتا ہے کہ اس کو ان کے راستے سے طاقت کے ذریعے دور کرے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے افراد میں سے کسی فرد کو ایذا اور تکلیف دینا حرام ہے۔ بلکہ اپنے قول اور فعل کے ذریعے ان کی شان میں گستاخی کرنے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات باری تعالیٰ کی جو دانے کو پھاڑنے والا ہے، یعنی جس نے زمین میں دبے ہوئے دانے کو پھاڑ کر اس سے انواع و اقسام کے درخت پیدا فرمائے ہیں اور جس نے ہر جاندار کے جسم میں روح پھونک کر اس کو وجود بخشا ہے۔ نبی امی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے وصیت کرتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''اگر مجھ (علی بن ابو طالب) سے کسی کو محبت ہو سکتی ہے تو وہ مومن کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر مجھ سے کسی کو بغض اور دشمنی ہو سکتی ہے تو وہ منافق کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

(صحیح مسلم: 78) مراد یہ ہے کہ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان کی علامت ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے دشمنی نفاق کی نشانی ہے۔

③ امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کی طرف منسوب جھوٹے الزامات، دروغ گوئی کے ذریعہ ان پر تھوپی گئی تہمتوں اور ان کی عزت و آبرو کو داغ دار کرنے کے لیے ان پر الزام تراشیوں کا ازالہ کیا جائے اور ان کی ذات کو مزکی و مصفی بنا کر لوگوں کے سامنے حقیقت کے آئینہ میں پیش کیا جائے۔ یہی عزیمت کا بلند ترین مقام ہے۔ اس طرح کے کاموں میں دلچسپی لینا خصوصاً اس دور قحط الرجال میں ہم لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح ہم پر یہ بھی حق بنتا ہے کہ جو ان کی شان میں غلو بازی کرے، ان کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہو تو اس کا دندان شکن جواب دیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے کسی فرد کو اس کے مقام و مرتبہ سے بڑھا چڑھا کر پیش کرنا آل بیت رسول ﷺ کے لیے باعث ایذا اور ان کی روح کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت سے متعلق ان کے بارے میں ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے حق گوئی سے کام لینا چاہیے۔

شیعہ کے ایک بہت بڑے عالم ابو عمرو ''محمد بن عمر الکشی'' نے اپنی اہم ترین کتاب ''رجال الکشی'' میں امام زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جناب زین العابدین سیدنا علی بن حسین بن علی رحمہم اللہ نے فرمایا: ''یہود نے سیدنا عزیر علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ کیا اور ان کے بارے میں ان کو جو کچھ کہنا تھا انھوں نے کہا (یعنی یہود نے جناب عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا ڈالا) تو نہ عزیر علیہ السلام ان سے ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کا سیدنا عزیر علیہ السلام سے کوئی تعلق ہے۔ یعنی سیدنا عزیر علیہ السلام ان کی غلو بازی سے بریٔ الذمہ ہیں۔ اور نصاریٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ کیا حتی کہ انھوں نے ان کے بارے میں غلو بازی سے کام لیا اور ان کے بارے میں جو کہنا تھا وہ کہا۔ تو نہ ہی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ان سے کوئی رشتہ ہے اور نہ ہی ان لوگوں کا ان سے کوئی تعلق ہے اور ہم لوگ بھی ان کے نقش قدم پر قائم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیروکار اور ماننے والے بھی ہم سے محبت کا دعویٰ کریں گے۔ اس کے بعد وہ غلو بازی کا شکار ہو جائیں گے اور ہمارے بارے میں وہی کہیں گے جو یہودیوں نے سیدنا عزیر کے بارے میں کہا تھا اور نصاریٰ نے سیدنا عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کے بارے میں بطور غلو کہا تھا۔ اس لیے ہم اعلان کر کے صاف طور پر کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ نہ تو وہ ہم سے ہیں اور نہ ہم ان سے ہیں۔''

(رجال الکشی، ص:111)

شیعوں کے کبار علماء میں سے ایک عالم ''عبداللہ محمد المامقانی'' ہیں جن کو موجودہ زمانہ میں شیعی علماء کے درمیان علم رجال کے سلسلہ میں مرجع گردانا جاتا ہے۔ وہ اپنے قلم سے تحریر کرتے ہیں:

''زمانہ قدیم کے شیعہ لوگ ان باتوں کو، جن کو ہم اس زمانہ میں ضروریات دین شیعی سمجھ بیٹھے ہیں غلو بازی اور افراط و تفریط کی قبیل میں شمار کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے ثقہ اور عادل لوگوں کی ثقاہت اور ضبط میں جرح کرنے سے بھی وہ گریز نہیں کرتے تھے۔''

(تنقیح المقال:3/23)

④ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کا چوتھا حق یہ ہے کہ مختلف اوقات میں ان پر درود و سلام بھیجنا مشروع قرار دیا گیا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا تھا: تم لوگ نماز کی حالت میں یہ کہا کرو: «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى

اِبْرَاهِيْمَ. وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ» ''اے اللہ! محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت کاملہ نازل فرما، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر نازل فرمائی تھی۔ محمد ﷺ اور ان کی آل پر اپنی خیر و برکت کی برکھا برسا دے، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر بالخصوص رحمت برسائی تھی۔ بلاشبہ تیری ذات حمد و ستائش کی مستحق ہے اور تو ہی بڑائی و بزرگی والا ہے۔''

(صحیح مسلم: 405)

اس سے پتہ یہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت پر درود بھیجے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی۔ گویا کہ رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت پر درود بھیجنا نماز کے لیے تتمہ اور اس کے لازمہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ آل محمد ﷺ کا درود میں ذکر کرنا درود کے بال و پر ہیں۔ چونکہ درود، دعا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے لیے دعا کرنا آپ ﷺ کی روح کو تسکین کا سامان مہیا کر کے آپ ﷺ کے دل کو ٹھنڈک پہنچانا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو عزت و شرف، بزرگی و برتری سے مزید نوازتا چلا جاتا ہے۔ «صَلَّى اللّٰهُ عَلَيه وَعلىٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَعَلَى ازْوَاجِهِ وَبَارِكْ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا».

نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے فضائل میں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کا نام انھوں نے ''جلاء الافهام فی فضل الصلاة والسلام علىٰ محمد ﷺ خير الأنام'' رکھا ہے۔ اس میں درود و سلام کے فضائل کے ضمن میں یہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت پر درود و سلام ضرور بھیجا جائے۔

⑤ امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پانچواں حق یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ان کو دیا جائے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے منجملہ حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے۔

مگر اہل سنت والجماعت شیعوں کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت رضی اللہ عنہم کو مال غنیمت کا پانچواں حصہ دیا جائے گا نہ کہ آپ کی ذاتی جائیداد کا۔ اسی طرح میراث میں خمس نہیں نکالا جائے گا۔ کیونکہ میراث تو میت کے ورثاء کا ذاتی حق ہے۔ اس میں خمس نکالنے کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مکانوں، گاڑیوں وغیرہ میں خمس نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ان کے مالکوں کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ (الانفال 41:8) آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کی شرط لگا کر واضح کر دیا ہے کہ خمس مال غنیمت ہی سے نکالا جائے گا، اسی لیے ﴿اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ کہا گیا ہے۔ اگر یہ حکم عام ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ ﴿اَمْوَالِكُمْ﴾ فرماتے مگر ایسا نہیں فرمایا، بلکہ محض امت مسلمہ پر رحمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کی قید لگائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اثنا عشریہ فرقہ میں ہیجانی کیفیت طاری ہو چکی ہے، بالخصوص ان کے بارھویں امام کے روپوش ہونے کے بعد۔ وہ خمس، یعنی پانچواں حصہ نکالنے کے بارے میں مضطرب ہیں۔ اور اس وقت ان کی مشکلات اور بھی دو چند ہو جاتی ہیں جب یہ مسئلہ درپیش ہو کہ خمس کا مال کسے دیا جائے؟ یا اسے کس مصرف میں لایا جائے؟

⑥ امت مسلمہ پر ایک حق یہ بھی ہے کہ انھیں اہل بیت کے حسب و نسب کے بارے میں پورا یقین ہو کہ خاندانی اعتبار سے پورے قبائل عرب میں یہ لوگ معزز و مکرم اور افضل و اشرف ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو (میرے لیے) منتخب فرمایا۔ بنی اسماعیل میں سے بنو کنانہ کا انتخاب فرمایا، بنو کنانہ میں سے قبیلہ قریش کو منتخب فرمایا۔ پھر قبیلہ قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرما کر نبوت عطا فرمائی۔'' (صحیح مسلم: 2276)

⑦ امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ان پر زکاۃ اور صدقہ کو حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کو صدقہ و خیرات دینا یا ان کا خود صدقہ و خیرات لینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے ذاتی تقدس کو زکوٰۃ و خیرات کی آلودگی سے منزہ کیا جا سکے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''بلاشبہ صدقہ و خیرات لوگوں کا میل کچیل ہے، اس لیے محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لیے اس کا لینا ناجائز ہے۔'' (صحیح مسلم: 1072)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''جہاں تک صدقہ و خیرات کا معاملہ ہے تو

اس کو نبی کریم ﷺ نے اپنے اوپر اور اپنے اہل بیت رضی اللہ عنہم پر، ان کے تقدس کو آلودگی سے پاک رکھنے کے لیے، حرام قرار دیا ہے تاکہ ان کی ذات پر بطور تہمت انگلیاں نہ اٹھ سکیں۔ جس طرح کوئی شخص ترکہ نہ چھوڑے تو یہ طبعی امر ہے کہ اس کے ورثاء درہم و دینار سے محروم رہیں گے۔ (مجموع الفتاویٰ: 30/19)

ہم پر ضروری ہے کہ ہم ان کے حقوق کا لحاظ رکھیں، انھیں معلوم کرنے کی بھرپور کوشش کریں اور نبی کریم ﷺ نے آل بیت کے بارے میں جو احکامات صادر فرمائے ہیں ان کی اتباع و پیروی کریں۔ یہ نہ ہو کہ ہم صرف ان کی توقیر و تعظیم کا زبانی دعویٰ کرتے رہیں۔

ضروری وضاحت

آل بیت رضی اللہ عنہم کے لیے مذکورہ حقوق اس وقت ثابت ہوں گے جب دو شرطیں پائی جائیں گی:

① پہلی شرط دین اسلام ہے، یعنی مسلمان ہو۔ کیونکہ کافر کو مذکورہ حقوق کے مستحقین میں نہیں گردانا جا سکتا۔ اگرچہ وہ نسبت کے اعتبار سے آل رسول ﷺ کا ہی ایک فرد کیوں نہ ہو۔ دین اسلام میں عز و شرف کا معیار تقویٰ ہے، حسب و نسب تو ثانوی چیز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ ''بلاشبہ تم میں معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہو۔'' (الحجرات 13:49) نبی اکرم ﷺ نے حسب و نسب پر اعتماد کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے والوں کو بہت ڈرایا دھمکایا ہے اور اس پر فخر و مباہات کرنے والوں کو انجام کار سے آگاہ فرما دیا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''اے فرزندان قریش! اللہ سے اپنے نفس کا سودا کر لو اور اپنے آپ کو اللہ سے خرید کر آزاد کرا لو۔ میں اللہ کے روبرو اس کے مقابلہ میں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ! میں اللہ کے مقابلہ میں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔ اے صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا! (اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی) مجھ پر تکیہ کر کے ہرگز نہ بیٹھنا کیونکہ میں آپ کے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! مجھ سے میرے مال میں جو چاہو مانگ لو مگر یہ بات یاد رکھو کہ میں اللہ کے مقابلہ میں تمھارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔''
(صحیح البخاري: 2602)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! کان کھول کر سن لو! تمھارا ایک ہی رب ہے اور تمھارا ایک ہی باپ ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ ہی کسی سرخ کو سیاہ پر اور نہ کسی سیاہ کو سفید پر فوقیت ہے۔ اگر برتری کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہی ہے۔'' (مسند أحمد: 411/5) آپ کو بخوبی معلوم ہونا چاہیے کہ ابولہب پر اس کے کفر کی وجہ ہی سے عتاب و وعید نازل ہوئی تھی۔

② حسب و نسب کا رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت رضی اللہ عنہم سے منسلک ہونا حقیقت میں بھی ثابت ہو۔ کیونکہ اس شخص کے لیے جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ، کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے یا اپنے آپ کو کسی ایسی جماعت یا قبیلہ کی طرف منسوب کرے، حالانکہ حقیقت میں اس قوم یا قبیلہ سے اس کا دور کا بھی رشتہ نہ ہو، تو ایسے شخص کے بارے میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''ہر وہ شخص جو جان بوجھ کر اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسری شخصیت سے نسبت کا دعویٰ کرے تو اس نے بلاشبہ کفر کا ارتکاب کیا۔ اور اگر کوئی شخص کسی قبیلہ یا قوم میں اپنے آپ کو شمار کرے، حالانکہ حقیقت میں اس کا اس قوم، جماعت یا قبیلہ سے کوئی تعلق نہ ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔'' (صحیح البخاري: 3317)

ان لوگوں سے میری درخواست ہے جو اپنے آپ کو نبی مکرم ﷺ کے اہلِ بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ تقویٰ، طہارت اور خشوع و خضوع میں لوگوں کے لیے نمونہ بنیں۔ اس میدان میں ان کا مقام و مرتبہ بلند ہو، قول و فعل میں تضاد نہ ہو اور ظاہر و باطن میں وہ سنت رسول اللہ ﷺ کے شیدائی ہوں۔ اس طرح ان میں دو قسم کے فضائل و محاسن جمع ہو جائیں گے۔ ان میں سے ایک ایمان و تقویٰ ہے اور دوسرا شرف بیت نبوی ﷺ سے انتساب ہے۔

آل بیت کے جن حقوق کو اہل سنت و الجماعت شمار کرتے ہیں ان کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

① ان سے محبت و مودت کا برتاؤ کیا جائے۔ ② ان کا دفاع اور حفاظت کی جائے۔ ③ ان پر عائد ہونے والے جھوٹے الزامات کی تردید کی جائے۔ ④ ان پر درود و سلام بھیجا جائے۔ ⑤ ان کو مال غنیمت میں سے خمس دیا جائے۔

⑥ ان کے خاندان کو بالیقین دنیا کے تمام خاندانوں سے زیادہ معزز ومکرم سمجھا جائے۔ اس لیے کہ ان کا نسب سید الاوّلین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی ذرّیت سے جا ملتا ہے۔ ⑦ ان پر زکوٰۃ اور صدقہ حرام سمجھا جائے۔

آل بیت کی محبت کا دعویٰ حقیقت کے تناظر میں

محترم بھائیو! یہ مختصر سا مضمون ہماری بحث کا خلاصہ ہے۔ میری قارئین کرام سے گزارش ہے کہ تدبر وتفکر کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں اور اس کی ورق گردانی میں حاضر دماغی سے کام لیں۔ میں نے آپ ہی کو قاضی بنا دیا ہے۔ اب آپ کی صوابدید پر ہے کہ آپ اس دعویٰ کی صحت پر حکم لگائیں یا اس کے بطلان پر مہر ثبت کریں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اگر لوگوں کو ان کے دعووں کے بنیاد پر دیا جانے لگے تو لوگ بے دھڑک لوگوں سے خوں بہا اور مال ودولت کا مطالبہ کرنے لگیں۔ لیکن مدعی کو دعویٰ کا ثبوت پیش کرنا لازمی ہے۔'' (صحیح مسلم:1711)

لہٰذا پورے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کا مجاز ہوں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کے دعویٰ میں قطعی دلائل موجود ہیں۔ لہٰذا ہم ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم اپنے اس دعویٰ میں حق بجانب ہیں یا دعویٰ صرف دعویٰ کی حد تک ہے۔

ہمارے نزدیک آل بیت رسول ﷺ سے انتساب باعث اعزاز و افتخار ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ ہم بخوبی واقف ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ: ہر شخص رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت و مودت کا دم بھرتا اور ان کی تعظیم وتوقیر کا دعویٰ کرتا ہے۔

مثال کے طور پر شیعہ کے فرقہ زیدیہ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ فرقہ زیدیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو سیدنا زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم کا متبع کہتے ہیں۔ بلکہ یہ فرقہ جناب زید بن زین العابدین علی بن حسین کے بھائی محمد الباقر بن زین العابدین رضی اللہ عنہم کے بعد ان کی امامت کے بھی قائل ہیں۔ یہ لوگ اس وقت ملک یمن میں رہائش پذیر ہیں۔ اس کے علاوہ عمومی طور پر دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حق ان کے ساتھ ہے اور انھیں آل بیت رسول ﷺ سے محبت کا شرف وراثت میں ملا ہے۔ وہی آل محمد ﷺ کے حقیقی پیروکار ہیں۔

فرقہ اسماعیلیہ: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جعفر صادق کے بڑے بیٹے اسماعیل بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں اور ان کی وفات کے بعد بھی انھی کی امامت پر قائم ہیں۔ وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ امامت ان کے بھائی موسیٰ کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ جناب موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کی امامت اور بیعت سے یہ لوگ اپنے مابین اختلاف کے باوجود اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی شیعہ ائمہ رحمہم اللہ کی اتباع کرنے والے ہیں۔ ان کے علاوہ نہ تو کوئی شیعہ ہے اور نہ ائمہ کرام کا پیروکار۔ یہ فرقہ ہندوستان اور یمن کے علاوہ دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہے۔

اثنا عشریہ: یہ شیعوں کا وہ فرقہ ہے جس نے امامت کو بارہ اماموں میں محدود کر دیا ہے۔ انھیں بارہ اماموں کی نسبت سے اثنا عشریہ کہا جانے لگا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہی لوگ ائمہ آلِ بیت رسول ﷺ کے سچے اور سچے متبع ہیں۔ وہ اپنے علاوہ تمام لوگوں کو نواصب کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔

یہ شیعہ کے بعض فرقے ہیں جن کا الگ الگ دعویٰ ہے۔ کیا ان سب کے مذکورہ بالا دعاوی وعقائد کے سلسلہ میں ان کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟

جہاں تک اہل سنت والجماعت کا تعلق ہے تو وہ اپنے مسلکی اختلافات کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت رضی اللہ عنہم کو عموم پر محمول کرتے ہیں۔ انھوں نے اس ضمن میں یکسر حق بات کو بیان کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت کو چند افراد کے مجموعہ پر منحصر نہیں سمجھتے۔ بلکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آلِ بیت کے عموم میں سادا تنا حمزہ وعباس ابناء عبدالمطلب اور جعفر طیار رضی اللہ عنہم بھی داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سیدنا حسین اور جناب حسن رضی اللہ عنہما کی سب اولاد کو بھی رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم میں شامل سمجھتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔



اُٹھ! کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے!

مسلمان ایمان اور اعمالِ صالحہ کا مجسمہ بن جائیں تو باطل فنا ہو جائے گا

اثر خامہ: مولانا محمد ابراہیم کیلانی
ریسرچ سکالر دارالسلام
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

اُس قادر مطلق شہنشاہِ کائنات کے عالی رتبے کے کیا کہنے جو ساری مخلوقات کا خالق و مالک اور یکتا و تنہا پالنہار ہے۔ اس نے محض اپنے فضل و فیض سے لوگوں کو فلاح کی راہ دکھانے کے لیے وقتاً فوقتاً اپنے قاصد بھیجے۔ اللہ کے یہی عظیم و جلیل قاصد پیغمبر، نبی اور رسول کے نام سے موسوم ہیں۔ اِس سِلکِ مروارید کا سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سید البشر خاتم النبیین امام المرسلین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک پوری آب و تاب سے جھلملا رہا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ نت نئی انسانی بستیاں اقتصادی دباؤ کے تحت وجود میں آئیں، اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم فرمایا، ہر قوم اور ہر بستی میں اپنے برگزیدہ رسول بھیجے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کی جائے پیدائش مختلف تھی۔ ان کی بولیاں جدا جدا تھیں، یہ مختلف قوموں میں مختلف مقامات پر آئے، مختلف اوقات میں آئے لیکن ان کی دعوت ایک ہی تھی۔ یہ اپنی اپنی قوم کو ایک اللہ کی بندگی اور نیک اعمال کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ ان تمام جلیل القدر پیغمبروں کی سیرت بجائے خود صداقت کی ایک روشن قندیل تھی۔ جب یہ اپنے اپنے عہد کے تاریک معاشروں میں چلتے پھرتے تھے تو اپنی سیرت کی درخشندگی کی وجہ سے روشنی کے سفیر معلوم ہوتے تھے۔ یہ غریبوں کی دلجوئی فرماتے تھے۔ بیواؤں کی مدد کرتے تھے، یتیموں کے آنسو پونچھتے تھے اور ضعیفوں کا بہت بڑا سہارا تھے۔ ان کی منور زندگی دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام کروٹیں لیتا تھا۔ یوں وہ اپنے علاقے کے انتہائی قابل احترام شخص کے طور پر جانے جاتے تھے۔ پیدائش سے لے کر لڑکپن اور جوانی تک ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں ان کی قوموں نے ان کی اعلیٰ صفات اور مہذب و منور زندگی کی گواہی دی۔

انبیاء علیہم السلام کی فضیلت پر اس سے بڑی کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے انھیں انھی کی بستیوں اور انھی کے لوگوں میں سے چنا اور پھر لوگوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ بدقسمتی سے روایت یہ رہی کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی کو شرف رسالت سے ہمکنار فرماتا تو وہی لوگ جو پہلے اس پیغمبر کی ثنا خوانی کرتے اور اسے محترم گردانتے تھے، ان کے مخالف ہو جاتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو پیغام دیا، وہ اسے ماننے سے انکار کر دیتے تھے۔



انبیاء کی سرگزشت سنانے کا مقصد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کی زندگی اور سیرت کا حال بیان فرمایا ہے اور ان کے اجلے اور بے داغ کردار کو ان کی نبوت کی گواہی کے طور پر پیش کیا ہے تاکہ انھیں دیکھ کر عقل والے اپنے معاملات درست کریں اور نصیحت حاصل کریں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ''البتہ یقیناً ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔'' (یوسف 111:12)

انبیاء کے حالات بیان کرنے کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ پچھلے انبیاء کے ساتھ ان کی دعوت توحید پر ان کی امتوں نے ان سے جو سلوک کیا، مسلمان اسے دیکھ کر ثبات واستقامت کا سبق حاصل کریں اور اپنے دلوں کو ناقابلِ تسخیر بنالیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے آپ کو وہ (خبر) سناتے ہیں جس سے ہم آپ کا دل مضبوط رکھتے ہیں، اور اس میں آپ کے پاس حق آ گیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی بھی۔'' (ھود 120:11)

آیئے! تاریخ کے آئینے میں دیکھیے کہ انبیاء علیہم السلام نے جب اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام اپنی قوموں تک پہنچایا تو اس کے ردعمل میں ان لوگوں نے ان مقدس حضرات کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ذیل میں اس ملال انگیز تاریخ کی چند جھلکیاں دیکھیے۔

❀ سیدنا نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک لوگوں کو اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دی لیکن انھیں خود انھی کے بیٹے سمیت قوم نے جھٹلایا، تمسخر کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں قوم نوح کی گستاخیوں کا ذکر یوں فرمایا ہے، قوم نوح نے کہا: ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''بے شک ہم تو تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔'' (الأعراف 60:7)

پھر قرآن نے یہ بھی اطلاع دی:

''پھر اس کی قوم کے وڈیرے بولے: ہم تجھے بس اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بس انھی لوگوں نے بے سوچے سمجھے تیری پیروی کی ہے جو ہمارے کمی کمین ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمھیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں بلکہ ہم تمھیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔'' (ھود 27:11)

نیز یہ بھی کہا:

﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ﴾ ''اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو، تو سنگسار کیے گئے لوگوں میں سے ہوگا۔'' (الشعرآء 116:26)

❀ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب سلطنتِ نمرود اور اپنے ہی باپ کے بنائے ہوئے صنم کدے میں توحید کا اعلانِ عام کیا تو باپ کہنے لگا:

﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِيْ مَلِيًّا﴾ ''وہ (باپ آزر) کہنے لگا: اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے منہ پھیرے ہوئے ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور رجم کردوں گا، اور تو لمبا عرصہ مجھ سے دور چلا جا۔'' (مریم 46:19)

پھر ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم کو اسلام کی دعوت دی تو ساری قوم ان کے خلاف ہوگئی اور کہنے لگی: ﴿اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ﴾ ''اسے قتل کردو یا اسے جلادو۔'' (العنکبوت 24:29) ﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ﴾ ''وہ (یہ بھی) کہنے لگے: اس کے لیے ایک مکان بناؤ (اس میں آگ جلاؤ) اور اسے دہکتی آگ میں ڈال دو۔'' (الصافات 97:37)

❀ سیدنا موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پلتے رہے۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا تو انھی کو پالنے پوسنے والا فرعون ان کا جانی دشمن بن گیا۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ ''اس نے کہا: البتہ اگر تو نے میرے سوا کوئی اور معبود پکڑا تو میں ضرور تجھے قیدیوں میں سے کردوں گا۔'' (الشعرآء 29:26)

پھر فرعون اپنے ماتحتوں سے کہنے لگا: ﴿اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ﴾ ''بلکہ میں تو اس (موسیٰ) سے کہیں بہتر ہوں جو حقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔'' (الزخرف 22:43)

موسیٰ علیہ السلام جب اللہ کے باغیوں کے پاس گئے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے برا سلوک کیا۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ ○ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سَاحِرٌ كَذَّابٌ﴾ ''اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔ فرعون، ہامان اور قارون کی



طرف، تو انھوں نے کہا: (یہ تو) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔" (المؤمن 40:23,24)

❀ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی قوم نے نہایت رکیک، روح فرسا اور الم انگیز دھبہ لگایا، فرمان الٰہی ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ "یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔" (المآئدۃ 5:72)

اور یہ الزام اتنا بھیانک ہے کہ آج بھی مسلمان اللہ کے کلام کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں۔ اور دامنِ عیسیٰ علیہ السلام سے یہ دھبہ دھو رہے ہیں۔ روزِ حشر اللہ تعالیٰ سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ سن لیجیے:

"اور جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو؟ تو وہ کہیں گے: تو پاک ہے، میرے لیے (جائز) نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہو تو یقیناً تو اسے جانتا ہے۔ تو اسے بھی جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے، اور میں اسے نہیں جانتا، جو کچھ تیرے نفس میں ہے۔ بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر غیب جاننے والا ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا تھا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے، اور میں ان پر نگران تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا، تو تو ہی ان پر نگران تھا، اور تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔"
(المآئدۃ 5:116,117)

❀ سیدنا ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے یہ کہہ کر تکلیف پہنچائی: ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ "بے شک ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں، اور یقیناً ہم تجھے جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں۔"
(الأعراف 7:66)

"اور اس کی قوم کے سرداروں نے کہا، جنھوں نے کفر کیا اور (ہماری) آخرت کی ملاقات جھٹلائی، اور ہم نے انھیں دنیاوی زندگی میں خوشحالی دی تھی کہ یہ تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے، وہ اس میں سے کھاتا ہے جس میں سے تم کھاتے ہو، اور وہ اس میں سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔" (المومنون 23:33)

﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ "ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے (دماغی) خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔" (ھود 11:54)

❀ سیدنا صالح علیہ السلام سے ان کی قوم والوں نے کہا:

﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ○ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ "انھوں نے کہا: بس تو سحر زدہ لوگوں میں سے ہے۔ تو ہماری طرح ایک بشر ہی تو ہے۔" (الشعرآء 26:153,154)

سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم نے سیدنا لوط علیہ السلام کی اس طرح گستاخی کی: ﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ﴾ "انھوں نے کہا: اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تو نکالے جانے والوں میں سے ہوگا۔"
(الشعرآء 26:167)

❀ سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا:

"اے شعیب! تمھاری باتوں میں سے بہت ساری باتیں ہمارے لیے ناقابل فہم ہیں۔ تم بودے اور جھوٹے آدمی ہو، تمھارے ساتھ تمھارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمھیں پتھراؤ کر کے ہلاک کر دیتے۔"
(ھود 11:91)

❀ سیدنا یوسف علیہ السلام زلیخا کے پھندے میں نہ پھنسے تو انھیں جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ انھوں نے تقاضائے زلیخا اور ایوان بادشاہت کو حقارت سے مسترد کر دیا۔ اللہ کے حکم کو سب سے زیادہ محبوب سمجھا اور خوشی خوشی جیل چلے گئے۔

❀ سیدنا زکریا اور سیدنا یحییٰ علیہما السلام کو یہودیوں نے دعوت حق کی پاداش میں قتل کر ڈالا۔

پیغمبروں نے جب بھی اللہ کی وحدانیت کا پرچم بلند کیا، لوگوں نے انھیں دھتکار دیا اور ان کی جان کے درپے ہوگئے۔ انھوں نے ان مقدس افراد کو مذاق کا نشانہ بنایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"(اے محمد!) کیا تمھیں ان کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے، (یعنی) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے جنھیں صرف اللہ جانتا ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لائے تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں لوٹا لیے اور بولے: بے شک ہم اسے نہیں مانتے جو تمھارے ہاتھ بھیجا گیا ہے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، اس میں ہمیں اضطراب میں ڈالنے والا شک ہے۔"
(ابراھیم 14:9)

"ان سے پہلے قوم نوح نے اور ان کے بعد (دوسرے) گروہوں نے بھی (انبیاء کو)



جھٹلایا، اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے گرفتار کرلیں، اور انھوں نے ناحق جھگڑا کیا تاکہ اس (باطل) کے ذریعے سے حق کو پھسلا دیں، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا، (تو دیکھ لو!) میری سزا کیسی تھی۔ اوراسی طرح ان لوگوں پر آپ کے رب کا فیصلہ ثابت ہوگیا، جنھوں نے کفر کیا، کہ بلاشبہ یہ دوزخی ہیں۔'' (المؤمن 40:5,6)

فی الجملہ تمام انبیاء علیہم السلام سے ان کی جاہل قوموں نے بڑا بھیانک برتاؤ کیا، ان کے ساتھ ٹھٹھا مخول، طعن وتشنیع اور سب وشتم کا سلوک کیا گیا، ہرطرح کا ظلم وستم روا رکھا گیا لیکن اس کے باوجود انبیاء علیہم السلام کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ انھوں نے کٹھن سے کٹھن تر حالات میں بھی لوگوں تک فرامینِ الٰہی پہنچانے کا فرض ادا کیا۔

رسولوں کے ساتھ پچھلی قوموں نے جو سلوک کیا اس کا تذکرہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے پہلی وحی اترنے کے بعد آپ ﷺ سے کیا تھا۔ ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''کاش! میں آپ کے زمانۂ نبوت میں توانا اور جوان ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔'' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟'' ورقہ نے کہا: ''جی ہاں! جب بھی کوئی بندہ اس طرح کا پیغام لایا جیسا آپ لائے ہیں تو اس سے دشمنی ہی کی گئی۔''

(صحيح البخاري: 3)

کلمۂ توحید کی وجہ سے محمد ﷺ سے کفار کی دشمنی

آخر میں رہبرِ قافلۂ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر سب سے بڑھ کر ظلم وستم کیا گیا۔ آپ ﷺ جد الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کو صادق وامین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ پاکیزگی اور نجابت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے نہایت محبوب خصائل واطوار دیکھ کر سیدۃ نساء قریش خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود آپ ﷺ کی خدمت میں شادی کا پیغام بھیجا۔ درحقیقت یہ پیغام آپ ﷺ کے جمال بے مثال، شخصی طہارت ونظافت اور عظمت وفضیلت کا وثیقۂ اعتراف تھا۔ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو فراست وذہانت اور سیادت وقیادت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو قریش کا کوئی شخص اس قابل نہ تھا جو یہ فیصلہ کر سکے کہ حجر اسود کی تنصیب کون کرے گا۔ آپ ﷺ کی زندگی کے ماقبل بعثت اوصاف جاننے کے لیے وہ خطبہ ضرور ملاحظہ فرمائیے جس میں جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے آپ کے اوصاف حمیدہ بیان کیے۔ اگر آپ ﷺ کا جمالِ جہاں تاب دیکھنا ہو تو ام معبد کا قصیدہ پڑھ لیجیے۔

ایسے مایۂ ناز حسب ونسب، شرف وجمال اور سیرت وکردار کے حامل ہونے کے باوجود جب رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے یہ اعلان کیا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو تو یکا یک کفر وشرک کی ساری دنیا آپ ﷺ کی دشمن ہوگئی۔ یہ دشمنی اتنی بڑھی کہ مختلف جنگوں میں حملوں کے علاوہ آپ ﷺ پر اٹھارہ قاتلانہ حملے ہوئے۔ آپ کو شدید ذہنی صدمات سے دوچار کیا گیا۔ آپ ﷺ اور آپ کے محترم اہل خاندان کا سماجی اور اقتصادی بائیکاٹ کیا گیا۔ ایسے پریشان کن حالات میں جب آپ انتہائی غمگین ہوئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے کے لیے سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کی کشمکش کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ''اور (اے نبی!) بلاشبہ آپ سے پہلے بھی رسولوں سے استہزا کیا گیا، پھر جن لوگوں نے ان (رسولوں) سے تمسخر کیا، انھیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔''

(الأنبياء 21:41)

سالہا سال لگاتار یہ سارے مظالم سہنے کے باوجود آپ ﷺ شام وسحر مکہ کے بازاروں،

اسلامی حکمران اور تواضع

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ہاں ایک مہمان رات کو آیا۔ اس وقت آپ کچھ لکھ رہے تھے۔ چراغ میں تیل ختم ہونے لگا اور وہ گل ہونے کے قریب ہوگیا۔ مہمان نے کہا: اجازت ہو تو میں تیل لے آؤں۔ فرمایا: ''مہمان سے خدمت لینا اچھی بات نہیں۔'' مہمان نے عرض کیا۔ خادم کو جگا دوں؟ فرمایا: ''وہ کچی نیند میں ہے۔'' یہ کہہ کر آپ خود اٹھے۔ اور تیل خرید کر لے آئے۔ مہمان نے کہا: امیر المومنین! آپ نے تکلیف کی۔ فرمایا: ''جب میں تیل لینے گیا تب بھی عمر ہی تھا۔ تیل لے کر آیا ہوں تب بھی عمر ہی ہوں۔ بہتر آدمی وہی ہے جو متواضع ہو۔''



طائف کی چٹانوں، منیٰ اور عرفات کی وادیوں اور صحراؤں کی پست و بلند بستیوں میں متواتر توحید کی دعوت دیتے رہے۔ آپ کا ایک ہی جذبہ اور ولولہ تھا، ایک ہی تڑپ اور ایک ہی مقصد تھا کہ بھٹکے ہوئے لوگ اللہ کی بندگی کی راہ پر آجائیں، جہالت و گمراہی سے نکل کر نورِ مبین کے اجالے میں آجائیں۔ پھر رفتہ رفتہ ساتھی ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ ہجرت ہوئی اور اللہ نے مومنوں کو دنیا میں اپنا وارث بنا دیا۔ آپ کے غلاموں نے آپ کی سچی تعلیمات سے عرب وعجم میں چراغاں کر دیا۔ حق غالب آگیا، باطل سرنگوں ہوگیا۔ اسلام اپنی سچائی کے نورانی پروں سے اتنی تیزی سے پھیلا کہ شیطان کو سمندر پار پناہ لینی پڑی۔

رسول اللہ ﷺ پر اہل باطل کے حملے کیوں؟

فی الجملہ انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب بھی رسولوں نے اللہ کا پیغام لوگوں میں عام کیا، دشمنیاں شروع ہوگئیں۔ ان پر سب وشتم کیا گیا۔ رکیک حملے کیے گئے۔ ان کے مخالفین ان کے جانی دشمن بن گئے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی دین پر ثابت قدمی کو دیکھ کر لوگ حلقہ بگوش دینِ حق ہوتے رہے۔ سب سے زیادہ دشمنیاں محمد رسول اللہ ﷺ سے کی گئیں اور سب سے بڑھ کر بے مثل صبر وتحمل کا مظاہرہ بھی آپ ﷺ ہی نے فرمایا۔ پچھلے انبیاء کی امتوں نے جب نبیوں کو تکالیف سے دو چار کیا تو انبیاء نے ممکن حد تک صبر کیا، پھر اپنی امت کے بارے میں اللہ سے مدد مانگی، چنانچہ بعض انبیاء کی قومیں اللہ کے غضب کا شکار ہوگئیں۔

لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں کے سارے تیر بڑے صبر وتحمل سے برداشت کیے۔ آپ ﷺ ان کی ہدایت کے لیے کوشاں رہے۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کی بہتری و بھلائی کے لیے دعا فرماتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ دین حق کے اسیر بنتے گئے اور اسلام کا نور دور دور تک پھیلتا چلا گیا۔

اب ذرا آج کے حالات پر نگاہ ڈالیے کیا وجہ ہے کہ آج یورپ اور امریکہ میں اسلام اور اہل اسلام کے جذبات کو مجروح کیا جا رہا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی شان میں آئے روز گستاخیاں کی جا رہی ہیں؟ یہ وہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے جو پہلے نبیوں کے ساتھ ہوتا رہا، دعوتِ توحید کا ردعمل ہنوز جاری ہے۔ جیسے جیسے اسلام کا آوازہ کفر کے ایوانوں سے ٹکرائے گا، دشمنیاں بھی بڑھتی جائیں گی اور اسلام مخالف سرگرمیوں میں اضافہ بھی ہوتا جائے گا۔ دشمنانِ اسلام حق کی آواز دبانے کے لیے ہر ممکن حربہ استعمال کریں گے۔

15 اکتوبر کو ویٹی کن سٹی میں رومن کیتھولک عیسائیوں کے دنیا بھر سے آئے کارڈینلز کا اجلاس ہوا۔ اس میں 262 بشپ شریک ہوئے۔ عیسائیوں کی اس بین الاقوامی کانفرنس کا موضوع ہی یہی تھا کہ اسلام یورپ اور امریکہ میں اتنی تیزی سے کیوں پھیل رہا ہے؟ اس سلسلے میں کارڈینل پیٹر ترکسن نے شرکائے کانفرنس کو Muslim Demogramis نامی فلم بھی دکھائی، جسے دیکھ کر تمام شرکائے اجلاس دنگ رہ گئے۔ اس میں بتایا گیا کہ اسلام سب سے زیادہ تیزی سے فرانس میں پھیل رہا ہے اگر فرانس میں قبول اسلام کی لہر اس طرح جاری رہی تو آئندہ 39 سال میں فرانس مسلم اکثریت کا ملک بن جائے گا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ ایک امریکی تحقیقی ادارے PEW نے رپورٹ دی ہے کہ 2030ء تک دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد دو ارب بیس کروڑ افراد سے بھی زیادہ ہوجائے گی۔ یہ خبر بتاتی ہے کہ مستقبل مسلمانوں کی امانت ہے۔

اگر مسلمانوں نے دعوت وتبلیغ، جہاد اور اخلاق حسنہ کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر استقامت دکھائی تو یقیناً اسلام غالب آکر رہے گا۔ آج امت محمدیہ کے غیرت مند مسلمانوں سے یہی امید ہے کہ وہ غفلت اور معصیت کی زندگی ترک کر دیں۔ اپنے باطن میں انقلابی تبدیلی پیدا کرلیں، یوں بدل جائیں جیسے موسم بدل جاتا ہے، اپنے اعمال واقوال کو رسول اللہ ﷺ کی منور سیرت سے جگمگا لیں۔ بس یہی عمل کرنے کی دیر ہے۔ جلد ہی آپ کے آس پاس کی فضا بدلنے لگے گی۔ لوگ کفر وشرک اور دہریت کی گندگی کو چھوڑ کر جوق در جوق اسلام کے سایۂ رحمت میں آنے لگیں گے اور باطل کے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے



محرم الحرام میں بعض نئے کام

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''عاشورہ کے دن روزہ رکھنے سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' (صحیح مسلم: 1162)

قرآنِ پاک کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اس (اللہ تعالیٰ) کے نوشتہ میں بارہ ہی ہے۔ اور ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم) یہی ٹھیک ضابطہ ہے (کیلنڈر کا)، لہٰذا ان چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو۔ جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین ہی کے ساتھ ہے (یعنی متقین کا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ساتھ دے۔)'' (التوبۃ9: 36) ان چار مہینوں میں محرم کی مزید اہمیت رسول اکرم ﷺ کے اقوال مبارکہ سے بھی عیاں ہوتی ہے۔ محرم کا معنی ہے بہت زیادہ قابل تعظیم۔ ان مہینوں کی حرمت ابتدائے آفرینش سے ثابت ہے۔

خطبہ حجۃ الوادع میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلیت پر آ گیا ہے۔ سال کے بارہ مہینے ہوا کرتے ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں۔''

(صحیح مسلم:1679)

جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا، آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ بنی اسرائیل کا فرعون سے نجات کا دن ہے، اس دن موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ موافقت رکھنے میں (ان کی خوشی میں شریک ہونے کے) ہم زیادہ حق دار ہیں۔'' آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی عاشوراء کا روزہ رکھنے کی تلقین کی۔

(صحیح البخاري:3397)

یہودیوں کے ساتھ مشابہت سے بچنے کی خاطر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اگلے سال دنیا میں موجود ہوا تو محرم کی نو تاریخ کو (بھی) روزہ رکھوں گا۔'' (صحیح مسلم: 1134)

آپ ﷺ اگلے سال اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے لیکن آپ کی تائید اور حکم باقی رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ارشاد پر عمل کیا اور دسویں کے ساتھ نویا گیارہ تاریخ کا روزہ رکھا۔

دسویں محرم کا روزہ رکھنا بہت اہمیت کا حامل ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رمضان المبارک کے بعد محرم الحرام کے روزے رکھنا افضل ہے۔'' (صحیح مسلم:1163)

اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین ہی کے ساتھ ہے (یعنی متقین کا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ساتھ دے۔)'' (التوبۃ9: 36) ان چار مہینوں میں محرم کی مزید اہمیت رسول اکرم ﷺ کے اقوال مبارکہ سے بھی عیاں ہوتی ہے۔ محرم کا معنی ہے بہت زیادہ قابل تعظیم۔ ان مہینوں کی حرمت ابتدائے آفرینش سے ثابت ہے۔

خطبہ حجۃ الوادع میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلیت پر آ

اور فرمایا: ''عاشورہ کے دن روزہ رکھنے سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' (صحیح مسلم:1162)

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عاشوراء کی فضیلت ابتدا ہی سے ہے مگر مسلمانوں کی اکثریت محرم اور عاشوراء کے بارے میں یہی خیال کرتی ہے کہ اس کا تعلق سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے وابستہ ہے۔ ایسی محفلوں میں شریک ہونے میں کوئی

قباحت محسوس نہیں کی جاتی جہاں علانیہ بدعات کا ارتکاب ہو رہا ہوتا ہے۔ بلکہ اب تو سنّی گھرانوں میں بھی مجالس ومحافل اور تقریبات کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔

بدعاتِ محرم

محرم الحرام میں بہت ساری بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں: روزہ رکھنے کی بجائے عصر کے بعد کا فاقہ کرنا، نوحہ اور ماتم، گریہ و زاری، سوگ میں کالے کپڑے پہننا، رشتہ طے نہ کرنا۔ محرم میں شادی نہ کرنا، نئے کپڑے نہ سلوانا نہ پہننا، کپڑے الٹ کر کے پہننا، بستر کی چادریں الٹی کر کے بچھانا، چارپائی الٹ کر رکھنا وغیرہ۔

نوحہ وماتم

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو ماتم کرے، رخسار اور منہ پیٹے، گریبان پھاڑے، جاہلیت کی طرح بین ڈالے، وہ ہم میں سے نہیں۔ میں اس سے بے زار ہوں جو ماتم میں سر کے بال مونڈے یا بلند آواز سے روئے یا کپڑے پھاڑے۔''

(صحيح البخاري: 1294 و صحيح مسلم: 104)

نبی ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور اس محفل میں شامل ہو کر غور سے سننے والی عورت پر لعنت بھیجی ہے۔ (سنن أبي داود: 3130)

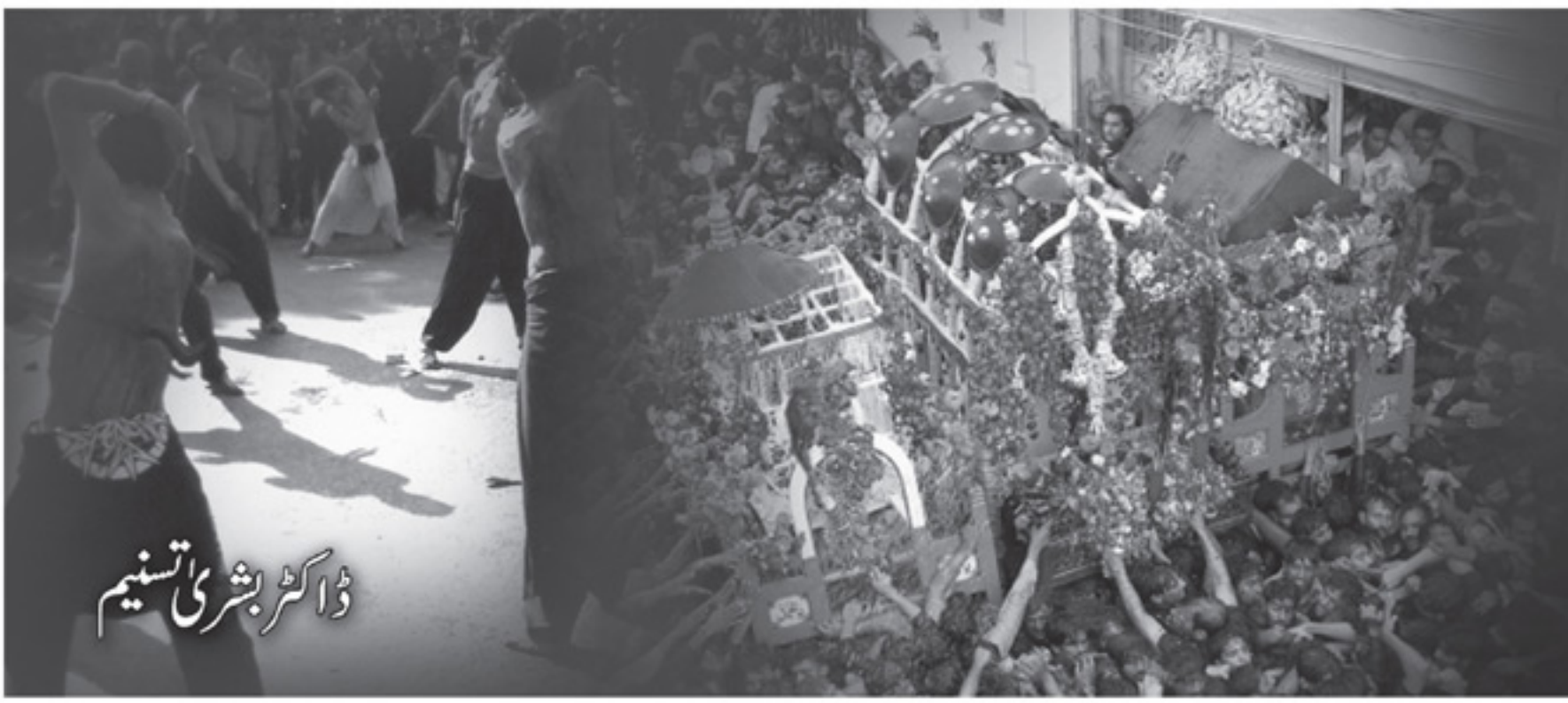
دو باتیں مسلمانوں میں کفر کی ہیں: نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔

(صحیح مسلم: 67)

امت کے تمام علماءِ حق کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ نوحہ اور جاہلیت کے طریقے پر بین کرنا حرام ہے۔

علامہ ابن حجر مکی الصواعق المحرقہ میں فرماتے ہیں: ''اس بات کی بہت تاکید ہے کہ انسان روافض کی بدعات میں مشغول ہونے سے پرہیز کرے۔ نوحہ، ماتم اور بین ڈالنے سے اپنے آپ کو بچائے، اس لیے کہ یہ سب اعمال و افعال شائستہ ایمان والوں کے اخلاق کے منافی ہیں۔ اگر نوحہ وغم جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا دن اس کا زیادہ حق دار تھا۔''

شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: ''اہل سنت کا دستور یہ ہونا چاہیے کہ عاشوراء کو فرقہ رافضیہ کی نکالی ہوئی بدعات، مثلاً: مرثیہ، ماتم و نوحہ وغیرہ سے احتیاط کریں۔ یہ کام مومنوں کے نہیں ہیں ..... اگر ایسا جائز ہوتا تو نبی اکرم ﷺ کی وفات کا دن سب سے زیادہ غم کا دن ہے۔'' (شرح سفر السعادات، ص: 673)



کرنا، نوحہ اور ماتم، گریہ و زاری، سوگ میں کالے کپڑے پہننا، رشتہ طے نہ کرنا۔ محرم میں شادی نہ کرنا، نئے کپڑے نہ سلوانا نہ پہننا، کپڑے الٹ کر کے پہننا، بستر کی چادریں الٹی کر کے بچھانا، چارپائی الٹ کر رکھنا وغیرہ۔

نوحہ وماتم

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو ماتم کرے، رخسار اور منہ پیٹے، گریبان پھاڑے، جاہلیت کی طرح

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنہ میں فرماتے ہیں: ''رافضیوں نے عاشوراء کو ماتم کا دن بنا لیا ہے۔ نوحہ کے شعر و اشعار پڑھتے ہیں، پیاسے رہتے ہیں، رخساروں پر طمانچے مارتے ہیں، گریبان اور کپڑے پھاڑتے ہیں، کفار کی طرح چیختے چلاتے ہیں..... یہ سب بدعات ہیں۔''

سوگ

سوگ کے حوالے سے بھی شریعت نے

راہنمائی فرمائی ہے۔ اس حوالے سے شریعت کی تعلیمات درج ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ ہاں اپنے خاوند کے فوت ہونے پر وہ چار ماہ دس دن سوگ منائے گی۔''
(صحيح البخاري:1281)

گویا کسی بھی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ حرام ہے۔ بیوہ عورت پر چار ماہ دس دن سے زیادہ کا سوگ نہیں۔ اس مدت کے بعد اس کا سوگ میں رہنا حرام ہے۔

خلافِ سنت کام کرنا ہر مسلمان کے لیے منع ہے۔ ہر وقت اور ہر لمحہ اسوۂ رسول کی پیروی لازمی ہے۔

عشرہ محرم میں زیب و زینت سے دور رہنا، شادی نہ کرنا، اظہارِ غم میں ننگے سر اور ننگے پاؤں یا ننگے بدن رہنا شیطانی سوچوں کا نتیجہ ہے۔

نبی ﷺ ایک بار جنازے پر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انھوں نے اظہارِ غم کے لیے اپنے اوپر سے چادریں اتار رکھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جاہلیت کا کام کرتے ہو، جاہلیت کی رسم کی مشابہت کرتے ہو۔'' (مسند أحمد)

کفار سے ملتی جلتی رسمیں چاہے وہ خوشی کی ہوں یا غم کی مسلمانوں کے لیے ہرگز جائز نہیں ہیں۔ مرنے والے کی مرثیہ خوانی سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔
(سنن ابن ماجه: 1592)

مرثیہ خوانی کرتے کرتے لوگ ہجو پر اتر آتے ہیں۔ ایک کی محبت میں شدت ظاہر کرنے کے لیے دوسروں کی ہتک کرتے ہیں۔ محرم میں جو مرثیہ خوانی کی مجالس منعقد ہوتی ہیں ان میں اصحابِ رسول ﷺ کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''میرے اصحاب کو گالی مت دینا۔'' (صحيح البخاري: 3673) اور فرمایا: ''ڈرو اللہ تعالیٰ سے میرے اصحاب کے بارے میں۔ ان کو میرے بعد طعن و تشنیع کا نشانہ مت بنا لینا (یعنی ان کی برائی نہ کرنا۔) جو ان کو دوست رکھتا ہے وہ مجھے دوست رکھتا ہے۔ جو ان سے دشمنی رکھتا ہے تو گویا وہ مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔''
(جامع الترمذي: 3862)

علامہ غزالی رحمہ اللہ ''احیاء العلوم'' میں لکھتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات اور نزاعات کو مجالس میں بیان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ (بشری کمزوریوں کو زیر بحث لانے سے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کینہ پیدا کرنے کا باعث ہے۔ ہم تک دین ان کے ذریعے سے پہنچا ہے ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے محسن ہیں۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ان محفلوں میں شامل ہونا (چاہے کسی بھی نیت سے ہو، مثلاً: دوستی نبھانا) درست نہیں جہاں بزرگوں کی ہجو کی جاتی ہو..... واقعات میں اپنی مرضی سے کمی وبیشی کر کے سنایا جاتا ہو، فرضی داستانیں سنائی جاتی ہوں۔ بدعتی مجالس میں شریک ہو کر ان کی تعداد بڑھانا بدعتی عمل میں شراکت ہی ہے۔ جو شخص کسی قوم کے مجمع کو بڑھائے وہ اسی میں سے ہوگا اور جو کسی بدعتی کے کام کو پسند کرے وہ اسی کام میں شریک ہوگا۔ (فتاویٰ عزیزیہ:1/71-72)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت ساری احادیث منقول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔'' (جامع الترمذي: 3768) مزید فرمایا: ''یہ دونوں میرے دنیا کے دو پھول ہیں۔''
(صحيح البخاري:3753)

سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ محترمہ کے بارے میں نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔''
(صحيح البخاري:3624)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بجا ہیں، البتہ بات اس وقت بگڑتی ہے جب ان کے فضائل و مناقب میں غلو کر کے دیگر صحابہ کرام کو سب وشتم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تناظر میں دیگر صحابہ کرام کو دین اسلام سے خارج قرار دے دیا جاتا ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دنیا میں سب سے پہلے نوحہ و ماتم کرنے والا بقول شیعہ حضرات کے خود یزید تھا۔

ملا جعفر اپنی مشہور کتاب جلاء العیون میں لکھتا ہے کہ ''جب اہل حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ کوفہ سے دمشق آیا اور یزید کے دربار میں پیش ہوا تو یزید کی بیوی ہندہ بے تاب ہو کر بے پردہ دربار

یزید میں چلی آئی۔ یزید نے دوڑ کر اس کے سر پر کپڑا ڈال دیا اور کہا کہ گھر کے اندر جاؤ اور آلِ رسول ﷺ پر نوحہ و ماتم کرو۔ ابن زیاد نے ان کے بارے میں عجلت سے کام لیا۔ میں قتلِ حسین رضی اللہ عنہ پر ہرگز راضی نہ تھا..... اہل بیتِ یزید نے زیور اتار کر لباس ماتم پہنا، صدائے گریہ و ماتم بلند کیا، یزید کے گھر تین روز تک ماتم برپا رہا۔'' (جلاء العیون: 256)

تعزیہ وجلوس

ماتم کے علاوہ ایک خاص رسم تعزیہ داری ہے۔ تعزیہ کے لغوی معنی کسی مصیبت زدہ کو صبر کی تلقین کرنے اور اس کے لیے تسکین کی دعا کرنے کے ہیں۔ کسی کی موت پر صبر کی تلقین کرنا اور ڈھارس بندھانا تعزیت کرنا کہلاتا ہے۔ محرم کا تعزیہ یوں ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر پر بنی ہوئی عمارت کی ایک نقل تیار کی جاتی ہے جس کو سجایا جاتا ہے..... ہزاروں مرد اور عورتیں اس کے پاس دست بستہ تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ جھک جھک کر سلام و سجدہ کرتے ہیں اور اپنی منتیں، مرادیں اور دعائیں کرتے ہیں..... اس کے زیر سایہ آنے کے لیے، اس کو ہاتھ لگانے کے لیے خلقت ٹوٹ پڑتی ہے کہ آفات و بلیات کے دور ہونے اور مرادیں پوری ہونے کا یہی ذریعہ ہے۔ (استغفر اللہ)

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ تحفہ اثنا عشریہ باب گیارہ میں رقم طراز ہیں: ''کسی چیز کی صورت اور نقل کو اصل ٹھہرا لینا ایک وہم ہے (دنیا میں بت پرستی کا پہلا قدم اسی وہم کا نتیجہ ہے) شیعہ حضرات بھی اسی وہم میں مبتلا ہیں۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی قبروں کی نقل بنا کر خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کی نورانی قبریں ہیں..... فاتحہ و درود و سلام پیش کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، مکھیوں سے بچانے کے لیے مور چھل ہلاتے ہیں۔''

بدعاتِ محرم کی ابتدا

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء صفحہ: 277 میں ذکر کرتے ہیں کہ 341ھ میں ایک گروہ، جو تناسخ کا قائل تھا، ظاہر ہوا۔ ان میں سے ایک نوجوان شخص نے دعویٰ کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روح اس کے اندر حلول کر گئی ہے اور اس کی بیوی کا دعویٰ تھا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح اس کے اندر آ گئی ہے۔ اسی گروہ کے ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ وہ خود جبرائیل ہے۔ خلیفہ وقت (مطیع باللہ القاسم) کو معلوم ہوا تو اس نے ان لوگوں کو عبرت کا نشان بنانے کا حکم دیا۔ تب اس گروہ نے مکر و فریب سے کام لے کر خود کو اہل بیت کے ساتھ منسوب کر لیا..... معزالدولہ شیعی نے ان کو سفارش کر کے بچا لیا۔

معزالدولہ کی نسبت امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ اس کے لعنتی کاموں میں سے ہے۔'' یاد رہے یہ وہی شخص ہے جس نے میلاد کی محافل برپا کرنے کی رسم سرکاری طور پر شروع کی تھی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں مزید لکھا کہ معزالدولہ کے بعد اس کے بیٹے عزالدولہ نے مذہب شیعہ امامیہ کی ترویج کی اور اسی نے اذان میں کلمہ بڑھایا: « حی علی خیر العمل » اس کے معاون جعفر بن فلاح نے اس کو دمشق میں پھیلا دیا۔ ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ اسی زمانے میں احادیث کے وضع کرنے کا رجحان زوروں پر تھا۔

معزالدولہ نے سب سے پہلے بغداد میں بزور حکومت عشرہ محرم میں نہایت دھوم دھام سے رسمِ ماتم منائی اور مخالفین پر زبانِ طعن و دشنام کا اضافہ کیا۔ (تاریخ ابن خلدون: 425/3)

معزالدولہ نے حکم دیا کہ سب دوکانیں بند کر دی جائیں۔ خرید و فروخت کا کام روک دیا جائے ..... لوگ ماتم کریں، کمبل کا لباس پہنیں، عورتیں پراگندہ بال اور بین کرتی ہوئی، سینے پہ دوہتڑ مارتی ہوئی شہر کا چکر لگائیں۔
(الکامل لابن اثیر: 197/2)

سید امیر علی ''سپرٹ آف اسلام'' میں صفحہ: 641 پر لکھتے ہیں کہ معزالدولہ نے بیادگار شہادت حسین رضی اللہ عنہ و دیگر شہدائے کربلا، عاشوراء محرم کو ماتم کا دن مقرر کیا۔

مولوی اعجاز حسین شیعی اپنی کتاب مرقع کربلا میں صفحہ: 78 - 79 میں بحوالہ تاریخ الخلفاء تسلیم کرتے ہیں کہ معزالدولہ پہلا بادشاہ مذہب امامیہ پر تھا اور اس نے سرکاری طور پر ماتم کا اہتمام کیا۔

محبت میں غلو اور افراط و تفریط کا شکار احترام امت مسلمہ کے لیے سم قاتل ہے۔ اس کا علاج نہ ہوا تو ہماری بحیثیت مسلمان داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں.....۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں دین اسلام پر عمل پیرا ہونے اور بدعات و خرافات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔



دین اور سیاست میں باہمی تعارض نہیں!

حافظ محمد حق نواز
ریسرچ فیلو دارالسلام



اسلام نے اپنی پوری تاریخ میں ریاست کی اہمیت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنے اپنے دور میں وقت کی اجتماعی قوت کو اسلام کے تابع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کی دعوت کا مرکزی خیال ہی یہ تھا کہ اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات ہے۔ شرک کو جڑ سے اکھاڑنا ان کا بنیادی مقصد تھا۔ ہر ایک کی زبان پر بس ایک ہی کلمہ جاری تھا: ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ ''اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں۔''

(الاعراف 7:65)

تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح کے لیے کوشش کی تا کہ خدا کی زمین پر خدا کا دین قائم ہو اور اسی کا قانون جاری و ساری ہو۔ ان کی یہ جدوجہد پوری زندگی کی اصلاح کے لیے تھی اور ریاست کی اصلاح اس کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ ہے۔ تمام انبیائے کرام نے ریاست کے ادارے کی اصلاح کی کوشش کی تھی اور غلط قیادت پر بھرپور تنقید بھی کرتے تھے۔

ریاست کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بذات خود یہ دعا سکھائی تھی: ﴿وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴾ ''اور کہیے: اے میرے رب! داخل کر مجھے سچا داخل کرنا اور نکال مجھے سچا نکالنا اور مجھے اپنے پاس سے مدد دینے والا غلبہ (عطا) کر۔''

(بنی اسرآئیل 17:80)

مذکورہ آیت کریمہ ہجرت نبوی سے کچھ ہی دیر پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس تاریخی پس منظر سے اس کی اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے اور اس سے ریاست کے ادارہ کی اہمیت بالکل روشن ہو جاتی ہے۔ آیت کا مفہوم مفسرین کی نظر میں کچھ یوں بنتا ہے: ''یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے تا کہ اس کی طاقت سے دنیا کے اس بگاڑ کو درست کر سکوں، فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں۔'' اس کی تائید سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ «اِنَّ اللّٰهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَايَزَعُ بِالْقُرآنِ» ''اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدّ باب کر دیتا ہے جن کا سدّ باب قرآن سے نہیں کرتا۔'' (شرح سنن أبي داود لعبدالمحسن العباد: 457/23)

معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی طاقت بھی درکار ہوتی ہے۔ اقامت دین اور نفاذ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کے لیے کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ اصل مطلوب اور مندوب بھی ہے۔ اور جو لوگ اس کو دنیا طلبی اور دنیا پرستی سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دین اور سیاست الگ الگ میدان ہیں۔ دین دار اور سیاست دان اپنے اپنے حدود میں رہ کر کام کریں۔ ان کی یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی ذات کے لیے حکومت کا طالب ہو تو اسے دنیا پرستی کہتے ہیں لیکن اگر وہ خدا کے دین کے لیے حکومت کا طالب ہو تو یہ



دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی کا عین تقاضا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ ''وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند ہی کریں۔'' (الصف 61: 9) ﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں۔'' (المآئدۃ 5: 44) اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «الاسلام والسلطان اخوان توأمان لا یصلح واحد منهما الا بصاحبه فالاسلام أس والسلطان حارس وما لاأس له منهدم وما لا حارس له ضائع» ''اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔''
(فضیلة العادلین من الولاة ومن انعم:1/153)

اسلامی نظریہ حیات میں دین اور سیاست کی دوئی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنی ریاست کو اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ یہ جدوجہد ان کے دین و ایمان کا تقاضا ہے۔ وہ قرآن پاک اور احادیث رسول ﷺ میں جس طرح اخلاق اور حسن کردار کی تعلیمات پاتے ہیں اسی طرح معاشرت، تمدن، معیشت اور سیاست کے بارے میں واضح احکام بھی پاتے ہیں۔ اس دوسرے حصے پر عمل پیرا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی ریاست ہو اور اگر اس حصے پر عمل نہ کیا جائے تو شریعت کا ایک حصہ معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور قرآن کے تصور کا معاشرہ وجود میں نہیں آتا۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عادل حکمران مقرر کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام قائم کرے اور ان احکام شریعت کے مطابق ان کا سیاسی نظام قائم کرے جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں۔ (الفصل بین الملل والنحل: 4/87)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں پر جامع شرائط خلیفہ کا مقرر کرنا واجب بالکفایہ ہے اور یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔''
(ازالة الخفاء، مقصد اول، فصل اول)

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اسلام مادی اقتدار چاہتا ہے اور اس کے بغیر وہ اپنا مشن پورا نہیں کرسکتا ہے۔ یہ اقتدار بجائے خود مقصود نہیں ہے لیکن دعوت کی تکمیل اور اصلاح انسانیت کے عظیم کام کی انجام دہی کے لیے ناگزیر ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کا مادی اقتدار اس کے روحانی اقتدار کا ذریعہ ہے اور اس کے نتیجے میں نیکیوں کا قیام اور برائیوں کا استیصال واقع ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ ''(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''
(الحج 22:41)

مذکورہ بحث سے مندرجہ ذیل نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں:

① ریاست کا ادارہ انسانی سماج کی ایک بنیادی ضرورت ہے اور اس کے بغیر منظم اجتماعی زندگی کا تصور مشکل ہے۔

② اسلام انسانوں کی پوری زندگی کے لیے ہدایت ہے اور اس نے اجتماعی زندگی کے لیے بھی واضح راہنمائی دی ہے۔

③ اسلام دین و سیاست میں کسی تفریق کا روادار نہیں۔ وہ پوری زندگی کو خدا کے قانون کے تابع کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے سیاست کو بھی اسلامی اصولوں پر مرتب کرنا چاہتا ہے اور ریاست کو اسلام کے قیام اور اس کے استحکام کے لیے استعمال کرتا ہے۔

④ یہ روش دنیا اور آخرت دونوں میں عتاب الٰہی کی موجب ہے کہ کچھ احکام الٰہی کو تسلیم کیا جائے اور کچھ دوسرے احکام سے صرف نظر اور روگردانی اختیار کی جائے، خواہ خواہش اور نفس کی اندرونی وحشت کی بنا پر یا کسی بیرونی دباؤ یا مرعوبیت کی وجہ سے۔

⑤ دین اور ریاست وحکومت کا اس قدر قریبی تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ اگر ریاست وحکومت اسلام کے بغیر ہوں تو ظلم اور بے انصافی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ''چنگیزی'' رونما



ہوتی ہے اور اگر اسلام ریاست وحکومت کے بغیر ہوتو اس کا ایک حصہ معطل ہوکر رہ جاتا ہے اور خدا کا دین حکمرانی اور غلبہ کے بجائے غلامی اور مغلوبیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ریاست کو اسلامی بنیادوں پر قائم کیا جائے۔ حکومت اسلام کی پابند ہو اور اس کے قیام کے لیے سرگرم عمل رہے۔

جاہلیت میں مذہب کا تصور

نبی مکرم محمد عربی ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا میں مذہب کا عام تصور یہ تھا کہ زندگی کے بہت سے شعبوں میں سے یہ بھی ایک شعبہ ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ انسان کی دنیاوی زندگی کے ساتھ ایک ضمیمہ کی حیثیت رکھتا ہے تا کہ بعد کی زندگی میں نجات کے لیے ایک سرٹیفکیٹ کے طور پر کام آ سکے۔ اس کا تعلق صرف اس رشتے سے ہے جو انسان اور معبود کے درمیان ہے۔ جس شخص کو نجات کے لیے مرتبے حاصل کرنے ہوں اس کے لیے تو ضروری ہے کہ دنیوی زندگی کے دوسرے تمام شعبوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے صرف اسی شعبے کا ہو جائے۔ مگر جس کو اتنے بڑے مراتب مطلوب نہ ہوں بلکہ محض نجات مطلوب ہو اور معبود کی نظرِ عنایت کا خواہش مند ہو کہ دنیوی معاملات میں برکت عطا کرتا رہے اس کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ اپنی دنیوی زندگی کے ساتھ اس ضمیمہ کو بھی لگائے رکھے۔ دنیا کے سارے کام اپنے ڈھنگ پر چلتے رہیں اور ان کے ساتھ چند مذہبی رسموں کو ادا کر کے معبود کو بھی خوش کیا جاتا رہے۔ انسان کا تعلق خود اپنے نفس سے، اپنے ابنائے نوع، اپنے گردو پیش کی ساری دنیا سے ایک الگ چیز ہے اور اس کا تعلق اپنے معبود سے ایک دوسری چیز ہے۔ ان دونوں کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔

یہ جاہلیت کا تصور تھا اور اس کی بنیاد پر کسی انسانی تہذیب وتمدن کی عمارت قائم نہ ہوسکتی تھی۔ تہذیب وتمدن کے معنی انسان کی پوری زندگی کے ہیں اور جو چیز انسان کی زندگی کا محض ایک ضمیمہ ہو، اس پر پوری زندگی کی عمارت، ظاہر ہے کہ کسی طرح قائم نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر جگہ مذہب اور تہذیب وتمدن ہمیشہ ایک دوسرے سے الگ رہے ہیں۔ ان دونوں نے ایک دوسرے پر تھوڑا یا بہت اثر ضرور ڈالا، مگر یہ اثر اس قسم کا تھا جو مختلف اور متضاد چیزوں کے یکجا ہونے سے مرتب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ اثر کہیں بھی مفید نظر نہیں آتا۔ مذہب نے تہذیب وتمدن پر جب اثر ڈالا تو اس میں رہبانیت، مادی علائق سے نفرت، لذات دنیوی سے کراہت، عالم اسباب سے بے تعلقی، انسانی تعلقات میں انفرادیت، تنافر اور تعصب کے عناصر داخل کر دیے۔ یہ اثر کسی معنی میں بھی ترقی پرور نہ تھا بلکہ دنیوی ترقی کی راہ میں انسان کے لیے ایک سنگ گراں تھا۔ دوسری طرف تہذیب وتمدن نے، جس کی بنیاد ہی سراسر مادیت اور خواہشات نفس کے اتباع پر قائم تھی، مذہب پر جب بھی اثر ڈالا تو اس کو گندہ کر دیا۔ اس نے مذہب میں نفس پرستی کی ساری نجاستیں داخل کر دیں اور اس سے ہمیشہ یہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ ہر اس گندی اور بد سے بدتر چیز کو جسے نفس حاصل کرنا چاہے، مذہبی تقدیس کا جامہ پہنا دیا جائے تا کہ نہ خود اپنا ضمیر ملامت کرے نہ کوئی دوسرا اس کے خلاف کچھ کہہ سکے، اسی چیز کا اثر ہے کہ بعض مذاہب کی عبادتوں تک میں ہم کو لذت پرستی اور بے حیائی کے ایسے طریقے ملتے ہیں جن کو مذہبی دائرے کے باہر خود ان مذاہب کے پیرو بھی بداخلاقی سے تعبیر کرنے پر مجبور ہیں۔

مذہب اور تہذیب سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو یہ حقیقت بالکل نمایاں نظر آتی ہے کہ دنیا میں ہر جگہ تہذیب وتمدن کی عمارت غیر مذہبی اور غیر اخلاقی دیواروں پر قائم ہوئی ہے۔

سچے مذہبی لوگ اپنی نجات کی فکر میں دنیا سے الگ رہے اور دنیا کے معاملات کو دنیا والوں سے اپنی خواہشات نفس اور اپنے ناقص تجربات کی بنا پر، جن کو ہر زمانہ میں کامل سمجھا گیا اور ہر زمانہ ما بعد میں ناقص ہی ثابت ہوئے، جس طرح چاہا چلایا اور اس کے ساتھ اگر ضرورت سمجھی تو اپنے معبود کو خوش کرنے کے لیے کچھ مذہبی رسمیں بھی ادا کر لیں۔ مذہب چونکہ ان کے لیے محض زندگی کا ایک ضمیمہ تھا، اس لیے اگر وہ ساتھ رہا بھی تو ایک ضمیمہ ہی کی حیثیت سے رہا۔ ہر قسم کے سیاسی ظلم وستم، معاشی بے انصافیوں، معاشرتی بے اعتدالیوں اور ہر قسم کی تمدنی کج راہیوں کے ساتھ یہ ضمیمہ منسلک ہوسکتا تھا۔ اس نے ٹھگی اور قزاقی کا بھی ساتھ دیا۔ جہاں سوزی اور غارت گری کا بھی، سود خوری اور قارونیت کا بھی، فحش کاری اور قحبہ گری کا بھی۔

(مأخوذ از تحریک آزادی ہند اور مسلمان:1/6)



مذہب کا اسلامی تصور

سیدنا محمد ﷺ جس غرض کے لیے بھیجے گئے وہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ مذہب کے اس مذکورہ جاہلی تصور کو مٹا کر ایک عقلی وفکری تصور پیش کریں اور اسی کی اساس پر تہذیب وتمدن کا ایک مکمل نظام قائم کر کے اور کامیابی کے ساتھ چلا کر دکھائیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ مذہب بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اگر اسے انسانی زندگی کا محض ایک شعبہ یا ضمیمہ تصور کر لیا جائے۔ ایسی چیز کو دین و مذہب کے نام سے موسوم کرنا ہی غلط ہے۔ حقیقت میں دین وہ ہے جو زندگی کا ایک جز نہیں بلکہ تمام زندگی ہو، زندگی کی روح اور اس کی قوت محرکہ ہو، فہم وشعور اور فکر ونظر، صحیح و غلط میں امتیاز کرنے والی کسوٹی ہو، زندگی کے ہر میدان میں ہر ہر قدم پر راہ راست اور راہ کج میں فرق کر کے دکھائے اور راہ راست پر استقامت اور پیش قدمی کی طاقت بخشے۔ دنیا سے لے کر آخرت تک انسان کو ہر مرحلے سے کامیابی و سعادت کے ساتھ گزارے۔

اسی مذہب کا نام اسلام ہے۔ اگر اس کو بھی زندگی کا ایک ضمیمہ قرار دیا جائے تو اس مذہب کے آنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس کے آنے کا اصل مقصد انسان کو اسی حقیقت سے آگاہ کرنا ہے کہ تعلقات کے تمام شعبے ''انسان اور خدا کا تعلق، انسان کا انسان اور ساری کائنات سے تعلق وغیرہ'' الگ الگ اور ایک دوسرے سے مختلف اور بیگانہ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی مجموعہ کے مربوط اور مرتب اجزا ہیں اور ان کی صحیح ترکیب ہی پر انسان کی فلاح کا مدار ہے۔ انسان اور کائنات کا تعلق درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان اور خالق کائنات کا تعلق درست نہ ہو۔ یہ دونوں تعلق ایک دوسرے کی تکمیل وتصحیح اور کامیاب زندگی بناتے ہیں۔ اور مذہب کا اصل کام اسی کامیاب زندگی کے لیے انسان کو ذہنی وعملی حیثیت سے تیار کرنا ہے۔ جو مذہب یہ کام نہیں کر سکتا وہ مذہب ہی نہیں ہے اور جو اس کام کو انجام دیتا ہے وہی اسلام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔'' (آل عمران 3: 19)

مذہب اور تہذیب وتمدن

اسلام ایک خاص طریقِ فکر (Attitude of Mind) اور پوری زندگی کے متعلق ایک خاص نقطہ نظر (Out look of Life) ہے۔ پھر وہ ایک خاص طرز عمل ہے جس کا راستہ اسی طریقِ فکر اور اسی نظریہ زندگی سے متعین ہوتا ہے۔ اس طریقِ فکر اور طرز عمل سے جو ہیئت حاصل ہوتی ہے وہی مذہب اسلام ہے، وہی تہذیب اسلامی ہے۔ یہاں مذہب اور تہذیب وتمدن الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ سب مل کر ایک مجموعہ بناتے ہیں۔ وہی ایک طریق فکر اور نظریہ حیات ہے جو زندگی کے ہر مسئلے کا تصفیہ کرتا ہے۔ انسان پر خدا کے کیا حقوق ہیں۔ خود اس کے اپنے نفس کے کیا حقوق ہیں، ماں باپ، بیوی بچوں، عزیزوں، قرابت داروں، پڑوسیوں، ہم مذہبوں اور غیر مذہب والوں کے کیا حقوق ہیں حتی کہ کائنات کی ہر چیز اور قوت کے کیا حقوق ہیں؟ وہ ان تمام حقوق کے درمیان کامل توازن اور عدل قائم کرتا ہے۔

پھر یہی طریقِ فکر اور نظریہ حیات انسان کی زندگی کا ایک بلند اخلاقی نصب العین اور ایک پاکیزہ روحانی منتہائے نظر متعین کرتا ہے اور زندگی کی تمام کوششوں کو خواہ وہ کسی میدان میں بھی ہوں، ایسے راستوں پر ڈالنا چاہتا ہے جو ہر طرف سے اسی ایک مرکز کی طرف راجع ہوں۔

یہ مرکز ایک فیصلہ کن چیز ہے۔ اسی کے لحاظ سے ہر شے کی قدر متعین کی جاتی ہے۔ اسی معیار پر ہر شے کو پرکھا جاتا ہے۔ جو شے اس مرکزی مقصد تک پہنچنے میں مددگار ہوتی ہے اسے اختیار کر لیا جاتا ہے اور جو شے سدّ راہ ہوتی ہے اسے رد کر دیا جاتا ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے یہ معیار یکساں کارفرما ہے۔

یہی ایک نقطہ نظر ہے جو مسجد سے لے کر بازار اور میدان کارزار تک، طریقِ عبادت سے لے کر جدید ٹیکنالوجی کے استعمال تک، غسل ووضو، طہارت اور استنجا کے جزوی مسائل سے لے کر اجتماعیات، معاشیات، سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے بڑے سے بڑے مسائل تک زندگی کی تمام مساعی اور فکر وعمل کے تمام شعبوں کو ایک ایسی وحدت بناتا ہے جس کے اجزا میں ایک مقصدی ترتیب اور ایک ارادی ربط پایا جاتا ہے اور ان سب کو ایک مشین کے پرزوں کی طرح اس طرح جوڑتا ہے کہ ان کی حرکت اور تعامل سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہو۔

مذہب کی دنیا میں یہ ایک انقلابی تصور تھا



اور جاہلیت کے خمیر سے بنے ہوئے دماغوں کی گرفت میں یہ تصور کبھی پوری طرح نہ آ سکا۔ آج دنیا علم وعقل کے اعتبار سے چھٹی صدی عیسوی کے مقابلے میں کس قدر آگے بڑھ چکی ہے مگر آج بھی اتنی قدامت پرستی اور تاریک خیالی موجود ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس انقلاب انگیز تصور کے ادراک سے اسی طرح عاجز ہے جس طرح قدیم جاہلیت کے ان پڑھ لوگ تھے۔ وہ بھی مذہب اسلام کو انھی معنوں میں ایک مذہب سمجھتے ہیں جن معانی اور مفہوم میں ایک غیر مسلم قدیم جاہلی تصور کے تحت سمجھتا تھا۔

قرآنی ذہن

اسلامی یا قرآنی ذہن ..... ایک ہی چیز ہے ..... جس نظریہ زندگی کے تحت چند اعتقادات پر ایمان لاتا ہے، چند عبادات تجویز کرتا ہے، چند مذہبی شعائر اختیار کرتا ہے بعینہ اسی نظریہ کے تحت وہ کھانے پینے اور لباس پہننے میں معاشرت کے طریقوں میں، تجارتی لین دین میں، تہذیب وتمدن کے مختلف مظاہر میں، مادی وسائل اور قوانین طبعی کے علم کو استعمال کرنے کے مختلف طریقوں میں بعض کو رد کرتا ہے اور بعض کو اختیار کرتا ہے۔ چونکہ نقطہ نظر، طریق فکر، نصب العین اور ترک واختیار کا معیار ایک ہے، اس لیے زندگی بسر کرنے کے طریقے اور اصول الگ نہیں ہو سکتے۔ جزئیات میں اگر کہیں تھوڑا بہت اختلاف ہو بھی جائے تو یہ اختلاف عوارض کا اختلاف ہے جوہری اختلاف ہرگز نہیں ہے۔ جس بنیاد پر اسلام میں زندگی کی پوری اسکیم مرتب کی گئی ہے اور اس کے تمام شعبوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے وہ کسی قسم کا اختلاف قبول نہیں کرتی۔ آپ خواہ کسی بھی ملک سے تعلق رکھتے ہوں اگر آپ مسلمان ہیں تو یہی اسکیم اپنی اسی اسپرٹ کے ساتھ آپ کو اختیار کرنی پڑے گی اور اس اسکیم کو رد کر دینا پڑے گا جو اپنی اسپرٹ اور اپنے اصولوں کے لحاظ سے اس کے خلاف ہو۔

یہاں آپ ''مذہبی'' اور ''دنیوی'' شعبوں کو ایک دوسرے سے الگ کر ہی نہیں سکتے۔ اسلام کی نگاہ میں دنیا اور آخرت دونوں ایک ہی مسلسل زندگی کے دو مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ سعی وعمل کا ہے اور دوسرا مرحلہ نتائج کا۔ آپ زندگی کے پہلے مرحلے میں جو بوئیں گے وہی دوسرے مرحلے میں کاٹیں گے۔ اسلام کا مقصد آپ کے ذہن اور عمل کو اس طرح تیار کرنا ہے کہ آپ دنیا کو صحیح طریقے سے برتیں اور آخرت میں اس کے نتائج صحیح حاصل ہوں۔ معلوم ہوا کہ پوری دنیوی زندگی ''مذہبی زندگی'' ہے اور اس میں اعتقادات وعبادات سے لے کر تمدن ومعاشرت، سیاست ومعیشت کے اصولوں تک ہر چیز ایک معنوی اور مقصدی ربط کے ساتھ مربوط ہے۔

اگر آپ اپنے سیاسی ومعاشی معاملات کو اسلام کی تجویز کردہ اسکیم کے بجائے کسی اور اسکیم کے مطابق منظم کرنا چاہتے ہیں باجود اس کے کہ آپ معتقدات دین اور عبادات دینی کو قبول کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ ''کیا تم بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟'' (البقرۃ 2:85)

اسلامی نظام زندگی سے ہٹ کر غیر اسلامی اصول حیات اپنا لینے کے بعد قرآن پر ایمان قائم ہی نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ قدم قدم پر غیر اسلامی اصول حیات کی تکذیب کرتا ہے۔

اگر آپ اسلامی اسکیم کے مطابق اپنی سیاسی و معاشی زندگی کے معاملات کو منظم کرنا چاہتے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔'' (آل عمران 3:103) اسی طرح اگر آپ مادی ترقی کے خواہش مند ہیں اور تمکن فی الارض کے طلب گار ہیں تو اسلام خود اس بارے میں تمھاری مدد کرے گا۔ قرآن و سنت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائیں لیکن اپنے بلند ترین اخلاقی اور روحانی نصب العین کو بھی مدنظر رکھیں، علاوہ ازیں آپ کی زندگی ایمان باللہ اور اعتقاد یوم آخرت کے آہنی فریم میں کسی ہوئی ہو جس کی گرفت کو مضبوط کرنے کے لیے صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ کو آپ پر فرض کیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: «بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَاِقَامِ الصَّلَاةِ، وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ» ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: ① اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں ② نماز قائم کرنا ③ زکاۃ ادا کرنا ④ بیت اللہ کا حج کرنا ⑤ ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔'' (صحيح البخاري: 8)



ملالہ یوسف زئی

پر حملے کو خاص مقصد کے لیے استعمال کیا گیا؟

محمد انیس الرحمن

جب تک ملالہ یوسفزئی پاکستان سے برطانیہ کے کوئین الزبتھ ہسپتال منتقل نہیں ہو گئی اس وقت تک پاکستان کے نجی میڈیا میں ایک طوفان کی کیفیت طاری رہی ہے جواب بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملالہ پر حملے کا ایک فیز پاکستانی حکومت اور پاکستان کے زرخرید نجی میڈیا کے اینکروں کے ذریعے لڑا گیا ہے اور اب اس کا دوسرا فیز برطانیہ میں شروع کیا جاچکا ہے۔

ملالہ یوسفزئی پر حملہ ایک افسوسناک واقعہ ہے جس کی جتنی بھی مزمت کی جائے کم ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ کراچی سے لے کر خیبر تک آگ اور خون کی جو ہولی کھیلی جارہی ہے اس سلسلے میں ہمارا نجی میڈیا کوئی پھرتی دکھاتا نظر نہیں آتا۔صرف ملالہ کے واقعہ کو پاکستان کے مٹھی بھر سیکولر اور لبرل حلقوں نے اپنی بقا کا جواز سمجھ کر اسے جس انداز میں پیش کیا ہے اس نے بھی قوم کی آنکھیں بڑی حد تک کھول دی ہیں۔

پاکستان کے جن جن علاقوں میں بھی دہشت گردوں نے اپنی عمل داری قائم کی وہاں حکومت نے اس کا توڑ کرنے کے لیے مختلف حربے آزمائے تاکہ حالات نارمل کیے جائیں۔ ان میں کئی جگہ تو آپریشن کا نسخہ اپنایا گیا جس کے دوران پورے کے پورے علاقوں کو تہہ و بالا کر دیا گیا۔ان آپریشنز سے وقتی طور پر تو حالات نارمل بھی ہوئے لیکن جلد ہی پھر بات بگڑ گئی۔آپریشن کے علاوہ مختلف علاقوں میں امن لشکر بھی قائم کیے گئے۔ ان دونوں میں سے زیادہ سودمند آپشن امن لشکروں کا قیام تھا لیکن ان امن لشکروں کا بھی جو حشر ہوا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں' کیونکہ کئی بار تو ایسا ہوا کہ جب حالات نارمل ہوئے تو حکومت نے امن لشکر کے سر پر سے ہاتھ اٹھا لیا۔حکومت کے اس ہرجائی پن کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی امن لشکروں کے سربراہان کو دہشت گردوں نے دردناک موت سے دوچار کیا۔ ایسی ہی ایک تازہ ترین واردات چندروز قبل پاکستان کے نیم قبائلی علاقے درہ آدم خیل میں ہوئی۔ ایک کار بم دھماکے میں اٹھارہ افراد جاں بحق اور 39 سے زائد زخمی ہو گئے۔ یہ بم دھماکہ اس جگہ ہوا جہاں امن لشکر کا مرکز واقع تھا۔اس واردات کا بظاہر نشانہ تو امن لشکر ہی تھا لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ تحریک طالبان پاکستان سمیت کسی نے بھی اس واقعے کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ اس عدم قبولیت کی وجہ سے ابھی تک یہ واضح نہیں ہو پارہا کہ واقعے کے پیچھے درحقیقت کون کارفرما ہے۔ یہ صورتحال اس وقت مزید گنجلک دکھائی دیتی ہے جب طالبان کی درہ آدم خیل تنظیم کے ترجمان محمد نے ایک غیرملکی خبر رساں ایجنسی کو فون کر کے بطور خاص اس دھماکے سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ عام طور پر طالبان کا یہ طریقہ کار نہیں ہے کہ وہ کسی واقعے سے لاتعلقی کا اعلان کریں۔ ان کا تو شیوہ یہ ہے کہ وہ واقعے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں انکار نہیں کرتے۔اس لیے اس انکار نے معاملات کو مزید الجھا کر رکھ دیا ہے۔



ذرائع کے مطابق غالب امکان تو یہی ہے کہ طالبان کی کوئی شاخ ہی اس میں ملوث ہو یا پھر اس امکان کو بھی خارج از مکان قرار نہیں دیا جا سکتا کہ امن لشکر کے لوگوں میں سے کسی کو ذاتی پرخاش ہو اور اس نے اپنا بدلہ لینے کے لیے طالبان کا طریقہ اختیار کیا ہو۔ بعض حلقے یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ حکومتی حامی لشکر کے پاس بھی ہتھیار اور گولہ بارود ہوتا ہے اور عین ممکن ہے کہ ان کا اپنا گولہ بارود پھٹ گیا ہو، تاہم اس رائے سے مقامی ذرائع کچھ زیادہ اتفاق کرنے کو تیار نہیں جس کی وجہ سے یہ خیال کیا جارہا ہے کہ شاید کسی نے اپنی دشمنی کی تسکین کی خاطر یہ واردات کی۔ بہرحال ہر دو صورتوں میں درہ آدم خیل کی تاریخ کا یہ ایک بڑا سانحہ تھا جس میں اتنے بڑے پیمانے پر جانی نقصان ہوا جبکہ جس وقت یہ سطور لکھی جارہی ہیں اس وقت بھی کئی زخمیوں کی حالت نازک بتائی جارہی ہے۔ یہ زخمی پشاور کے مختلف ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔

درہ آدم خیل میں یہ جانی نقصان ایک ایسے وقت میں ہوا ہے کہ پورے صوبے، پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں ملالہ یوسفزئی کا ذکر چھایا ہوا ہے اور میڈیا ملالہ پر اس حملے کو اس قدر اوپر لے گیا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ لوگ جنھوں نے اس بے نام جنگ میں قربانیاں دی ہیں ان کا کہیں ذکر تک نہیں آیا۔ وہ اس صورتحال کو بڑے امتیازی انداز سے دیکھ رہے ہیں۔ بلاشبہ ننھی ملالہ پر حملہ انتہائی سفاکانہ اقدام تھا لیکن پچھلے آٹھ سالوں میں ایسی کئی وارداتیں ہوئیں جو سفاکیت کے اعتبار سے خاصی تباہ کن تھیں لیکن ان کو اس قدر توجہ نہیں دی گئی جتنی توجہ ملالہ کو دی گئی۔ اس سلسلے میں صوبہ خیبر پی کے کی صوبائی حکومت تو اتنی آگے نکل گئی کہ اس نے ملالہ یوسفزئی پر حملہ کرنے والے افراد کے بارے میں اطلاع دینے والوں کے لیے ایک کروڑ روپے کا اعلان کر دیا۔ لیکن شومئی قسمت کہ اے این پی کے اس انعام کی گونج چند منٹ بھی برقرار نہ رہ سکی کیونکہ وفاقی وزیر داخلہ عبدالرحمان ملک نے یہ دعویٰ کر دیا کہ انھیں حملے میں ملوث افراد کے بارے میں معلوم ہے یہاں تک کہ وہ ان کا نام اور سوات پہنچنے کی تاریخ تک بتا سکتے ہیں۔ عبدالرحمان ملک کے اس انکشاف کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایک کروڑ کا انعام صوبائی حکومت عبدالرحمان ملک کی نذر کر دیتی لیکن ایسا نہ ہوا۔ البتہ عوام کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ ملالہ یوسفزئی پر یہ حملہ ہمارے وفاقی اور صوبائی اداروں کے درمیان کوآرڈینیشن کے فقدان کے باعث پیش آیا وگرنہ آئی جی صوبہ خیبر پختونخواہ اور وفاقی وزیر داخلہ دونوں کو اپنی اپنی جگہ حملہ آوروں کے بارے میں اطلاعات مل گئی تھیں۔ کیا وفاقی وزیر داخلہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ سوات میں ان حملہ آوروں کی موجودگی کے باوجود وہ کیا وجوہات تھیں جو انھیں حملہ آوروں کی گرفتاری سے روکے ہوئے تھیں۔ اب جبکہ وہ ان کی گرفتاری کے دعوے کر رہے ہیں ان دعوؤں کی لاج رکھ کر وہ حملہ آوروں کو گرفتار کر بھی لیں تو اس نقصان کا کیا ہوگا جو ملالہ پر حملہ کی صورت میں صرف ملالہ ہی نہیں پاکستان نے بھی بھگتا۔ کیا اس بات سے انکار کی گنجائش ہے کہ ملالہ پر حملہ کی یہ خبر نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی میڈیا میں بھی نمایاں طور پر پیش کی۔ ایسا لگتا ہے کہ دونوں حکومتیں ملالہ کے بارے میں نہ جانے کیوں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتی تھیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کے تشخص سے اس طرح کے کھیل کی کیا ضرورت ہے اور یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ جب صوبے کے آئی جی اور وفاقی وزیر داخلہ سانپ گزر جانے کے بعد لکیر کو پیٹنا شروع کر دیں تو اس سے عوام کو تحفظ کا احساس دلایا جاتا ہے یا انھیں خوف زدہ کرنے کا یہ ایک سنگین مذاق ہوتا ہے۔ اب تو یہ بھی وتیرہ بنالیا گیا ہے کہ جب بھی کوئی بڑا واقعہ ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ حملہ آور افغانستان سے آئے تھے۔ یہی انداز افغان انتظامیہ نے بھی اپنایا ہوا ہے جو اپنے ہاں کسی بھی ناخوشگوار واقعے کو پاکستان سے جوڑ دیتی ہے۔

ایسی ہی وارداتیں طویل عرصے سے افغانستان میں جاری ہیں۔ افغانستان ہو یا کوئی بھی دوسرا ملک وہاں سے تخریب کاری و قتل و غارت گری کے لیے آنے والے عناصر کی راہ روکنے کے لیے درجنوں کے حساب سے سیکورٹی و انٹیلی جنس ایجنسیاں کیوں ناکام ہو رہی ہیں؟ اصل سوال یہی ہے کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس سوال کا جواب یہی فی الحال نظر آ رہا ہے کہ انتظامی و سیکورٹی اداروں کے درمیان رابطے کا شدید فقدان ہے وگرنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سوات جہاں ملک کے کسی بھی بندوبستی علاقے کی نسبت سول و فوجی انتظامیہ مشترکہ طور پر سیکورٹی معاملات دیکھ رہی ہے، افغانستان سے آنے والے افراد سے تساہل برتتی رہی۔ اب



جو کہا جا رہا ہے کہ حملہ آور کہیں بھی فرار ہو جائیں انھیں گرفتار کرلیں گے، کے باوجود یہ سوال اپنی جگہ برقرار رہے گا کہ حملے سے قبل ان حملہ آوروں کو گرفتار کیوں نہیں کیا جاسکا اور اس ناکامی کی ذمہ داری کون لے گا؟ اس قسم کی زبانی کلامی تسلّی اب اس صوبے کے بدقسمت عوام کو نہیں دی جاسکتی کہ یہاں کے لوگوں کے مصائب ملک کے باقی علاقوں کے رہائشیوں سے زیادہ ہیں۔ بلاشبہ یہاں کم ہی گھر ہوں گے جو صوبے میں جاری سنگین خونی صورتحال سے دوچار نہ ہوئے ہوں مگر باقی صوبوں کے مقابلے میں اسی صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے سیکورٹی معاملات مربوط و منظم بنانے کی طرف جو توجہ دینے کی ضرورت تھی اس سے غفلت ہی برتی جارہی ہے۔

اس قوم کے میڈیا کی حالت کا اندازہ اس ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملالہ کے زخم بھر جائیں گے ان پر توجہ بھی دی جارہی ہے لیکن یہ کیسا تضاد ہے کہ جسے صوبے میں بڑی شدت سے دیکھا اور محسوس کیا گیا کہ ملالہ کے ساتھ زخمی ہونے والی باقی دو بچیوں کا کسی نے نام تک نہ لیا۔ ان میں سے کائنات نامی بچی کے والد کو بالآخر میڈیا پر آکر یہ کہنا پڑا کہ اس کی زخمی بچی سے پولیس تفتیش کے لیے تو آرہی ہے لیکن اس کے علاج پر کوئی توجہ کسی نے نہیں دی۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی واقعے میں تین بچیاں زخمی ہوئیں تو پھر تینوں کو ایک جیسی اہمیت دی جاتی لیکن ایسا نہ ہوا۔ ملالہ یوسف زئی کے ساتھ زخمی ہونے والی کائنات اور شازیہ حکومتی توجہ اور علاج معالجے سے کچھ دنوں تک محروم رہیں جبکہ دوسری طرف ملالہ یوسف زئی پر ہونے والے حملے کے خلاف صوبائی حکومت میں شامل وزراء بھی اس اقدام کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے۔

خیبر پختونخواہ کے سینئر وزیر بشیر احمد بلور، صوبائی وزیر اطلاعات میاں افتخار حسین ،ایوب لاشاری ،یاسمین ضیاء ،تاج الدین ،ارباب نجیب اللہ اور اے این پی کے دیگر قائدین نے پشاور پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اس دوعملی مظاہرے کا کیا کیا جائے کہ ایک ساتھ طالبان کی گولیوں کا نشانہ بننے والی ایک معصوم بچی کے لیے تو سرکار کے سارے وسائل وقف کیے جا رہے تھے اور اسی کے ساتھ انھی عناصر کے ہاتھوں زخمی ہونے والی قوم کی دوسری دو بیٹیوں کے علاج معالجے سے سرے سے کسی کو سروکار ہی نہ تھا۔ ملالہ یوسفزئی اس قوم کی بیٹی ہے تو کیا شازیہ اور کائنات اس ملک کے عوام کی کل کائنات نہیں؟ کیا یہ مجروح صاحبزادیاں قوم کی بیٹیاں نہیں؟ کیا یہ حکومت کی ذمہ داری نہیں کہ ان کے علاج معالجے پر بھی اسی طرح توجہ دی جائے جس طرح قوم کی دوسری بیٹی کو حق دیا جا رہا ہے۔ اسی تضاد اور دوعملی کے نتیجے میں احساس محرومیاں بڑھتی ہیں۔ امتیازی سلوک ذہنوں میں انتہا پسندانہ خیالات کو ابھارنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ کیا شدت پسندوں کے خاتمے کے لیے پرعزم حکومت خود انتہا پسندی کو بڑھاوا نہیں دے رہی؟ اسی طرح ملالہ یوسفزئی کے واقعے کے خلاف صوبائی وزراء کا احتجاجی مظاہرہ معلوم نہیں کس کے خلاف کون کر رہا تھا؟ یہی صوبائی وزراء حکومت ہیں۔ انھی کی جماعتیں برسراقتدار ہیں اور جن لوگوں کو ملالہ یوسفزئی اور کائنات سمیت سب کے تحفظ کا ذمہ دار ہونا چاہیے آج ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ دو تین بندوق برداروں کے فعل پر سراپا احتجاج بن گئے ہیں اور کچھ کر نہیں پا رہے ہیں۔ صوبائی وزراء اور حکومت بھی سڑکوں پر آجائے تو باقی قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اے این پی کے وزراء نے تو اپنی ہی حکومت کے خلاف دھڑا دھڑ احتجاج بھی کرلیا۔ اس احتجاج سے کس کو خوش کیا گیا اور کہاں کہاں خود کو روشن خیال رجسٹرڈ کرایا گیا۔ اس بارے میں پورے صوبے میں چہ مگوئیاں جاری ہیں اور اب تو یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اے این پی کے دور حکومت میں اس حملے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شمالی وزیرستان میں آپریشن کی راہ ہموار کی جائے۔ ذرائع کے مطابق یہ تاثر قرین قیاس نہیں البتہ ملالہ کے خون بہانے سے یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ یہ جنگ اپنی ہے پرائی نہیں اور یہی اس واقعے کی شاید تلخ حقیقت ہے جس کے حصول کے لیے بات اس قدر آگے بڑھی لیکن عوامی سطح پر حالت یہ ہے کہ لوگوں کو ملالہ کا افسوس تو ہے لیکن وہ اس قسم کی قربانیوں کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں وہ اس قربانی کو اسی معمول میں لے رہے ہیں لیکن حکومتی حلقے حسب روایت عوام کے ساتھ نہیں چل رہے۔ ملالہ تو اب برطانیہ پہنچ چکی۔ لیکن قوم ان ہزاروں ملالوں کو کبھی نہیں بھولے گی جو امریکی ڈرون دہشت گردی کی نذر ہوچکی ہیں۔



سوال ڈاکٹر صاحب! آپ نے تعلیم کہاں سے حاصل کی اور اس کے بعد کہاں کہاں خدمات انجام دیں؟

جواب میں 1942ء میں ضلع سیالکوٹ میں نہر اپر چناب کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا۔ میٹرک میں نے اسلامیہ ہائی سکول سمبڑیال سے کیا جبکہ بی اے اسلامیہ کالج سیالکوٹ سے اور ایم اے اُردو یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے 1966ء میں پاس کیا۔ ایم۔ اے کا امتحان دینے کے فوراً بعد میری تقرری اسلامیہ کالج سمبڑیال میں اُردو کے لیکچرار کی حیثیت سے ہوگئی جہاں میں نے ڈیڑھ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ مئی 1967ء میں مَیں اردو ڈائجسٹ کے ادارے سے وابستہ ہوگیا اور جب ستمبر 1969ء میں ہفت روزہ ''زندگی'' کا اجرا ہوا تو میری درخواست پر مجھے اس جریدے میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں سے ستمبر 1970ء میں مجھے پبلک سروس کمیشن کی Selection کے بعد گورنمنٹ سروس مل گئی اور 31 سال کی ملازمت کے بعد میں نے مئی 2001ء میں ریٹائرمنٹ لے لی۔

سوال حصول تعلیم کے لیے کیا آپ کو مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا؟

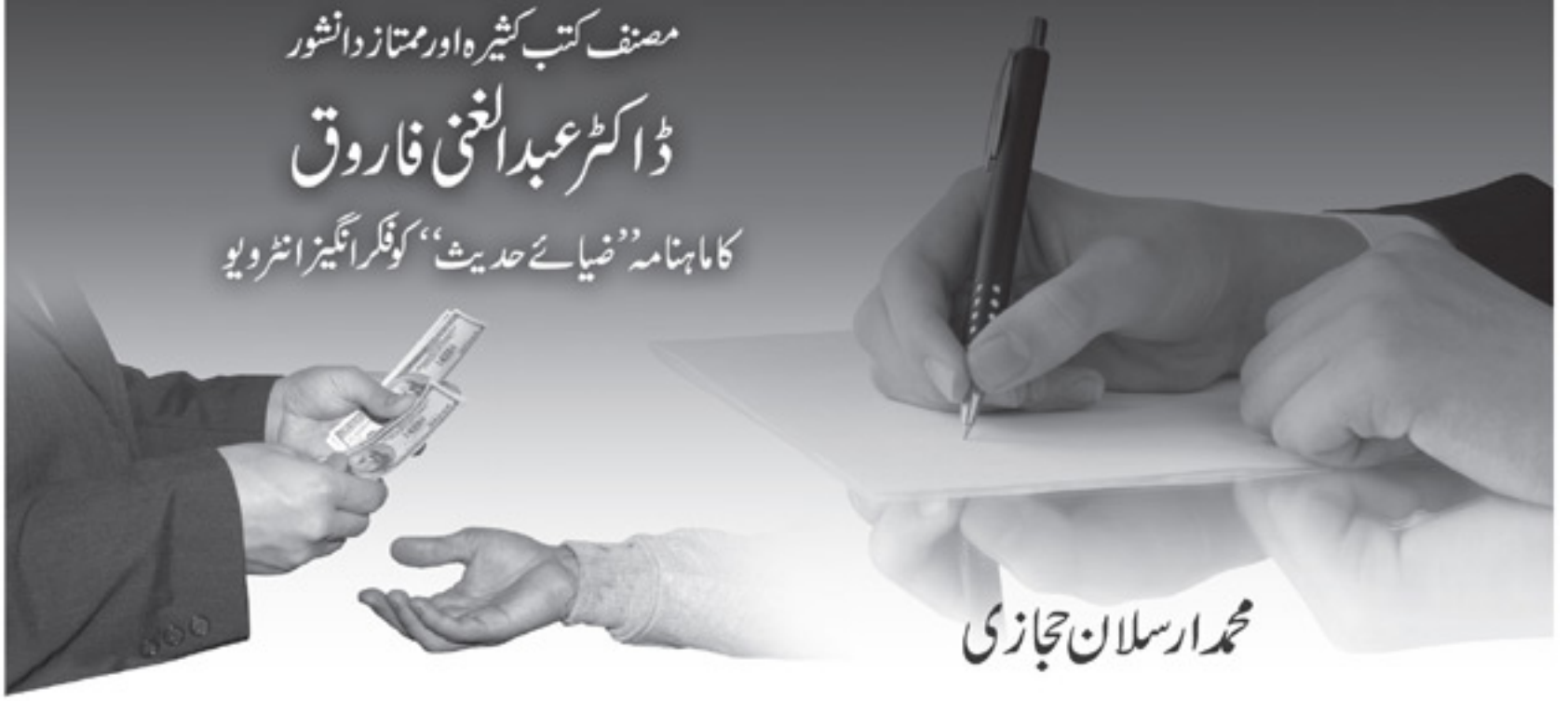
جواب حصول تعلیم کے لیے مجھے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ میرے والد صاحب ایک غریب ان پڑھ کسان تھے اور ان کے ذرائع آمدن بہت ہی محدود تھے، تاہم اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے لیے عسر میں سے یسر کا پہلو نکال دیا۔ مثال کے طور پر میرا ہائی اسکول گھر سے ڈھائی میل دور تھا اور یہ فاصلہ پیدل ہی طے کرنا ہوتا تھا۔ اللہ ہی کے فضل وکرم سے چھٹی ساتویں جماعت سے مجھے مطالعے کا شوق ہوگیا اور شوق کی یہ لَے بڑھتی چلی گئی۔ عالم یہ تھا کہ میں یہ راستہ عموماً کوئی نہ کوئی کتاب پڑھتے ہوئے طے کرتا تھا۔ میرے مطالعے میں اسلامی تاریخی ناول، تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات اور توحید ورسالت کے موضوعات تھے اور انھوں نے میری ذہنی پرداخت اور عقائد کی درستی میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ نویں دسویں جماعت میں مَیں نے سوچنا شروع کیا کہ مختلف کتابوں کے یہ مصنفین بھی انسان ہیں اور میں بھی انسان ہوں، پھر مجھے بھی لکھنے کی کوشش

علم عبادت نہیں بلکہ تجارت بن گیا ہے!!

مصنف کتب کثیرہ اور ممتاز دانشور

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

کا ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' کو فکر انگیز انٹرویو



محمد ارسلان حجازی



کرنی چاہیے، چنانچہ کسی کی ادنیٰ رہنمائی کے بغیر میں نے میٹرک میں لکھنے کا آغاز کر دیا اور ایف اے کے دوران مشہور ادیب اور سرکاری افسر صادق قریشی کے (سرکاری) رسالے پندرہ روزہ ''ہم لوگ'' اور ماہنامہ ''استقلال'' میں میری بہت سی تحریریں شائع ہوئیں۔ ان رسائل میں لکھنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ ہر مضمون کا معاوضہ دیتے تھے۔

میں بی اے میں تھا جب اس وقت کے مقبول ترین اور کثیر الاشاعت رسالے ''اردو ڈائجسٹ'' میں میرے یکے بعد دیگرے تین طبع زاد طنزیہ مزاحیہ مضامین شائع ہوئے۔ ان مضامین نے میری آئندہ اعلیٰ تعلیم میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

بحمد اللہ تعالیٰ کہ بی اے کا امتحان میں نے بہت ہی اچھے نمبروں میں پاس کر لیا۔ تب شوق ہوا کہ مجھے ایم اے اردو کر لینا چاہیے، مگر والد صاحب کی آمدنی کے ذرائع بالکل مسدود ہو گئے تھے۔ دونوں بڑے بھائی الگ ہو گئے تھے اور والد صاحب کو کاشت کاری کے آبائی پیشے سے فارغ کر دیا گیا تھا، چنانچہ میں نے مزید تعلیم کی خواہش کا اظہار کیا تو والد صاحب نے صورتِ حال میرے سامنے رکھی۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ مزید دو سال انتظار کر لیں میں ان پر کوئی بوجھ نہیں بنوں گا اور کوئی پیسہ طلب نہیں کروں گا۔

اس کے لیے میں نے دو دوستوں سے آٹھ سو روپے قرض لیا اور پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں ایم اے اردو کی کلاس میں داخلہ لے لیا۔ بات لمبی ہے قصہ کوتاہ یہ کہ الطاف حسن قریشی صاحب نے مجھے ''اردو ڈائجسٹ'' میں جز وقتی ملازمت عطا کر دی۔ میں دوپہر کے بعد سمن آباد جاتا تھا اور تین گھنٹے اس رسالے کے دفتر میں کام کرتا تھا اور مجھے اتنی رقم مل جاتی تھی کہ تعلیم کے اور ہوسٹل کے اخراجات پورے ہو جاتے تھے۔ (الحمد للہ تعالیٰ)

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کروں کہ میں نے دس بارہ سال کی عمر ہی میں اپنے ماحول کی بدعات و خرافات کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ قبر پرستی، پیر پرستی، رسم پرستی سب سے بیزاری کا اعلان کر دیا تھا۔ اس پر میرے خاندان میں شدید ردعمل ہوا تھا لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے دنیا ہی میں اس کا غیر معمولی صلہ دیا اور آسانیاں اور کامیابیاں میرا مقدر بن گئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب توحیدِ خالص سے وابستگی کا فیض تھا۔

سوال معروف علمی و ادبی جریدے اردو ڈائجسٹ سے آپ کی وابستگی کا تجربہ کیسا رہا؟

جواب مجموعی اعتبار سے یہ تجربہ خوشگوار رہا اور میں نے وہاں سے بہت کچھ سیکھا۔

سوال آپ کے خیال میں نصف صدی پہلے علم حاصل کرنا آسان تھا یا موجودہ دور میں آسان ہے؟

جواب امیر طبقے کے لیے نصف صدی قبل بھی تعلیم حاصل کرنا آسان تھا اور آج بھی آسان ہے، جبکہ غریب طلبہ کے لیے اُس وقت بھی مشکلات تھیں اور آج بھی مشکلات ہیں، تاہم ماضی کے مقابلے میں آج مجموعی اعتبار سے آسانیاں زیادہ ہیں۔ آپ کا سوال ہے کہ ''نصف صدی پہلے علم حاصل کرنا آسان تھا یا موجودہ دور میں آسان ہے'' تو ''علم'' کی جگہ ''تعلیم'' کا لفظ بدل دیجیے کہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ محض پیشہ ورانہ تعلیم ہے۔ اس کا ''علم'' سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو محض ملازمت حاصل کرنے اور پیسہ کمانے کے ذرائع ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بے شمار یونیورسٹیوں، اکیڈمیوں اور تعلیمی اداروں کے باوجود ہمارے ہاں جہالت کا چلن عام نہ ہوتا، اور ہم دینی و اخلاقی، تہذیبی اور سیاسی قدروں سے بے نیاز نہ ہو جاتے۔ ''علمِ نافع'' سے محروم ہونے کے بعد ہی ہم دنیا بھر میں رسوا ہو رہے ہیں اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مقدس چہرے پر کلنک کا ٹیکا بن گئے ہیں۔

سوال نصف صدی پہلے کے طالب علم اور آج کے طالب علم میں اخلاق و کردار اور حصولِ علم کے جذبہ و شوق میں آپ کیا فرق پاتے ہیں؟

جواب بدقسمتی سے ہم قیامِ پاکستان کے فوراً بعد مالِ حرام کی نحوستوں میں مبتلا ہو گئے۔ مقامی لوگوں نے ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں کو لوٹ لیا اور مہاجرین کی اکثریت نے جھوٹ اور بد دیانتی سے کام لیتے ہوئے جائیدادوں کے غلط کلیم جمع کرائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے دینی اور اخلاقی کردار کو گھن لگ گیا۔ اس پر مستزاد جاگیرداری نظام کی لعنت اور نحوست، افسر شاہی کی فرعونیت، طبقہ علماء کی فرقہ پرستی اور تنگ دلی، اساتذہ کرام کی غیر سنجیدگی اور ناقص شناسی اور سیاست دانوں اور تاجروں کی خدا بے خوفی نے ملک میں جو ماحول پیدا کیا، اس نے ''علمی دنیا'' میں اخلاق و

کردار کا جنازہ نکال دیا، حصولِ علم کے لیے جذبہ وشوق ثانوی حیثیت اختیار کر گیا اور اصل اہمیت جاہ و منصب اور مال و زر کو حاصل ہو گئی۔ ''علم'' عبادت کے خانے سے نکل کر تجارت اور انڈسٹری میں داخل ہو گیا۔ قوم کی ذہنی و روحانی صلاحیتوں کو زنگ لگ گیا اور قحط الرجال آخری حدود کو چھونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے لائق اور ذہین بچے پیدا کرنے کا سلسلہ معطل نہیں کیا۔ لیکن اب مادہ پرستی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ اگر اس دور میں علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان بھی پیدا ہوتے تو ان کے والد انھیں لازماً میڈیکل، انجینئرنگ اور کمپیوٹر کی تعلیم دیتے اور عربی، فارسی یا عمرانی علوم کے انھیں قریب بھی نہ پھٹکنے دیتے۔

تعلیمی اداروں کے اندر فارسی اور عربی کے مضامین جس اندوہناک کیفیت سے دو چار ہیں، اُس کا بنیادی سبب یہی ہے۔

سوال ایک مثالی استاد میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں؟

جواب ایک مثالی استاد کی پہلی خوبی یہ ہونی چاہیے کہ اسے نہ صرف اپنے مضمون پر عبور حاصل ہو بلکہ دیگر علوم کی ضروری معلومات بھی حاصل ہوں۔ ایک مثالی استاد کو بہت اچھا انسان اور بہت اچھا باعمل مسلمان ہونا چاہیے۔ دیانت، امانت، فرض شناسی، شفقت، محبت، رحم اور کشادہ ظرفی اس کے کردار کے لازمی جزو ہونے چاہئیں اور انسان سازی اور تعمیر اخلاق کا فریضہ اس کے ذہن پر حاوی رہنا چاہیے۔

سوال شہباز شریف حکومت نے جماعت اول سے جبری انگریزی ذریعہ تعلیم مسلط کر دیا ہے، اس کے خلاف اساتذہ کی تنظیموں نے کوئی ردعمل دیا؟

جواب میں سیاسی حوالے سے شریف برادران کا حامی ہوں، لیکن شہباز شریف نے پہلی جماعت سے انگریزی کو مسلط کر کے بدترین حماقت اور ظلمِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے اور اس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے۔ یہ اقدام ننھے بچوں کی ذہنی اور عملی صلاحیتوں کو تباہ کر دے گا اور انھیں کہیں کا بھی نہیں رہنے دے گا۔

سوال پاکستان کا نظام تعلیم اردو میڈیم ہونا چاہیے یا انگلش میڈیم؟

جواب پاکستان کا ذریعہ تعلیم لازماً اردو ہونا چاہیے۔ انگریزی کی لازمی حیثیت نے پاکستانی نوجوانوں کی ذہنی صلاحیتوں کو کند کر دیا ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بی اے، بی ایس سی میں تقریباً ستر فیصد طلبہ انگریزی میں فیل ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی ساری مہذب قوموں نے اپنی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنا کر ترقی کی ہے: امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس، جرمنی، جاپان، حتیٰ کہ اسرائیل اور ایران میں ساری تعلیم وہاں کی قومی زبانوں میں دی جاتی ہے۔ حیدر آباد دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی کا کامیاب تجربہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اُردو میں سارے ہی سائنسی اور پیشہ ورانہ مضامین آسانی سے پڑھائے جا سکتے ہیں۔

سوال ذریعہ تعلیم سے قومی زبان اردو کو خارج کرنے کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

جواب اردو زبان عربی کے بعد دنیا کی سب سے بڑی اسلامی زبان ہے۔ اسے ذریعہ تعلیم کے طور پر نظر انداز کیا گیا تو ہم اخلاقی اور مادی ترقی کی دوڑ میں صدیوں پیچھے چلے جائیں گے اور پاکستان کے اتحاد اور یک جہتی کو بھی شدید نقصان پہنچے گا۔

سوال اس وقت پاکستان میں اردو زبان ناقدری کا شکار، فارسی اور عربی کا کوئی پرسان حال نہیں جبکہ انگریزی زبان کی حاکمیت ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اس کی وجہ پاکستان کی بے رحم بیوروکریسی اور جاگیردار حکمرانوں کی بے حمیتی، بے حسی اور غیر ذمہ داری ہے، لوگ اردو اور انگریزی کے مسئلے کو محض دو زبانوں کا مسئلہ سمجھتے ہیں جبکہ یہ پاکستان کا سب سے بڑا سیاسی مسئلہ ہے۔ سول اور فوجی افسر شاہی اور جاگیردار انگریزی کو اس لیے مسلط رکھنا چاہتے ہیں تا کہ مقابلے کے امتحانوں میں انھی کے بیٹے بھتیجے کامیاب ہوں اور ملک کے انتظامی امور پر وہی قابض رہیں۔ اس منصوبے میں وہ کامیاب ہیں اور اس المیے پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔

سوال PHD مقالہ کے لیے آپ نے ماہر القادری کی شخصیت کا انتخاب ہی کیوں کیا؟

جواب اللہ کا شکر ہے میں کبھی بے مقصدیت کا قائل نہیں رہا۔ میری کوشش تھی کہ پی ایچ ڈی کے لیے کوئی ایسی شخصیت مل جائے جس کی علمی و دینی خدمات ہوں اور اس پر کام کر کے خوشی ہو۔ چنانچہ اللہ ہی کی خصوصی عنایت سے مجھے ''مولانا ماہر القادری'' پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ مرتب کرنے کی اجازت مل گئی۔ اور اللہ ہی کے فضل سے اس کی تکمیل بھی ہو گئی۔

ماہر القادری دنیائے شعر و ادب کی ایک نابغہ شخصیت تھے۔ وہ باکمال شاعر تھے اور



شاعری کی مختلف اصناف پر عبور رکھتے تھے۔ انھوں نے نعت، غزل، نظم، نظم کی مختلف اقسام میں بے مثال تخلیقات یادگار چھوڑی ہیں۔ اس کے علاوہ افسانہ، ناول، شخصیت نگاری اور سفر نامہ کے حوالے سے ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ وہ بہت اچھے نقاد اور ماہر لغت ولسانیات تھے۔ کتابوں پر ان کے تبصرے اردو میں اپنی مثال آپ ہیں۔ انھوں نے تقریباً ڈھائی ہزار کتابوں پر تبصرے رقم فرمائے۔ ان کا رسالہ ''فاران'' اردو کے ماہنامہ رسالوں میں خاص مقام اور حیثیت کا حامل تھا جو اپریل 1949ء سے مئی 1979ء تک پابندی سے شائع ہوتا رہا اور قارئین کے وسیع حلقے میں بے حد مقبول رہا۔

ماہر صاحب کی مذہبی تحریریں بھی خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ وہ ایک غیرت مند اور بہادر مسلمان تھے۔ جہاں بھی مذہبی اقدار پر زد پڑتی ہوئی دیکھتے تھے، حکمت اور سلیقے اور جرأت کے ساتھ اس پر گرفت کرتے تھے۔ ماہر صاحب ''توحیدِ خالص'' کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ ''فاران'' کا ضخیم اور وقیع ''توحید نمبر'' آج بھی اس پر شاہدِ عادل ہے۔ کاش کوئی ادارہ اسے دوبارہ شائع کر سکے۔

یہ تھیں وہ وجوہات جن کی بنا پر میں نے پی ایچ ڈی کے لیے موصوف محترم کی حیات آور ادبی خدمات کا انتخاب کیا اور اللہ کا شکر ہے میں اسے مکمل کرنے میں کامیاب رہا۔ یہ مقالہ کتابی صورت میں شائع بھی ہو چکا ہے اور 507 صفحات پر مشتمل ہے۔

سوال آپ کی کل کتنی کتب ہیں اور ان کے نام؟

جواب مختلف موضوعات پر میری چودہ کتابیں ہیں۔ ان میں سے تین کتابیں نومسلموں کے بارے میں ہیں۔ ''ہم کیوں مسلمان ہوئے؟'' 90 نومسلموں کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ اور علمی و دینی حلقوں میں اتنی مقبول ہے کہ حال ہی میں اس کا اٹھارواں ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کو روزنامہ ''نوائے وقت'' روزنامہ ''امت'' کراچی اور روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد نے اپنے سنڈے ایڈیشنوں میں تسلسل کے ساتھ شائع کیا تھا۔ ''ہمیں خدا کیسے ملا؟'' 81 نومسلم خواتین کے قبولِ اسلام کا تعارف ہے۔ اس کا حال ہی میں آٹھواں ایڈیشن شائع ہوا ہے اور اس کا سندھی اور پشتو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ہندوستان سے بھی ان دونوں کتابوں کے خوبصورت ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ تیسری کتاب ''آور جرنی ٹو اسلام'' کے عنوان سے ایک سو نومسلموں کے حالات پر مشتمل ہے۔

اردو میں نومسلموں کے واقعات لکھنے کا باقاعدہ آغاز میں نے کیا تھا جو بے حد پسند کیا گیا اور اب باقاعدہ تحریر بن گیا ہے۔

میری دو کتابیں ''مغربی تہذیب'' کے حوالے سے ہیں، یعنی ''مغرب پر اقبال رحمہ اللہ کی تنقید'' اور ''یہ ہے مغربی تہذیب''۔ پہلی کتاب اقبال کی وہ ساری تنقیدات یکجا کر دی گئی ہیں جو مغربی تہذیب کے حوالے سے ہیں: اردو میں، فارسی میں، نظم میں، نثر میں یہ کتاب خاصی فکر انگیز ہے اور علمی حلقوں میں پسند کی گئی ہے۔

''یہ ہے مغربی تہذیب'' دراصل بیس سال کے اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں پر مشتمل ہے، یعنی 1985ء سے 2006ء تک۔ کتاب بڑی ہی چونکا دینے والی اور چشم کشا ہے۔ اردو میں اس انداز کی شاید اور کوئی کتاب نہیں۔

پانچ کتابیں میری مولانا مودودی کے قریبی ساتھیوں کے تذکروں پر مشتمل ہیں، یعنی ''کاروانِ عزیمت''، اوصافِ حمیدہ، مولانا ماہر القادری تحریکِ اسلامی کے نو مثالی قائدین اور چودھری علی احمد خاں، یہ موضوع منتخب کرنے کا سبب یہ تھا کہ میں نے مولانا مودودی کے دورِ اول کے رفقاء کو ہر اعتبار سے بے مثل پایا، تقویٰ، للّٰہیت، اخلاص اور محبت میں وہ منفرد و یکتا تھے۔ وہ دولتِ دنیا سے یوں خوفزدہ رہتے تھے جیسے کوئی آگ سے ڈرتا ہے۔ وہ بڑے ہی لائق اور زیرک لوگ تھے، اور انھوں نے ساری ذہنی و عملی صلاحیتیں اللہ کے دین کے فروغ کے لیے وقف کر دی تھیں۔

میری یہ کتابیں قاضی حسین احمد کے دور سے پہلے جماعت کے مختلف نصابات میں شامل تھیں لیکن جب میں نے موصوف کی ہنگامہ خیزی سیاست سے اختلاف کیا، تو سب نصاب سے خارج کر دی گئیں۔

میری گیارھویں کتاب مولانا ماہر القادری کے کلیات پر مشتمل ہے۔ 1050 صفحات کی یہ کتاب مرتب کر کے مجھے بہت ہی خوشی ہوئی تھی۔

بارھویں کتاب مشہور نومسلمہ محترمہ مریم جمیلہ کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جس کا عنوان ہے: ''مولانا مودودی اور مریم جمیلہ کی مراسلت'' اہلِ نظر نے اس ترجمے کو خاصا پسند کیا ہے۔

تیرھویں کتاب کا عنوان ہے: ''مکافاتِ عمل، دید و شنید''۔ اس کتاب میں اسی معاشرے کے 245 جیتے جاگتے سچے واقعات

جمع کیے گئے ہیں۔ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ دنیا اندھیر نگری نہیں ہے اور یہاں بھی محدود پیمانے پر جزا وسزا کا عمل جاری ہے۔ یہ واقعات بے حد عبرت ناک اور چونکا دینے والے ہیں۔80 فیصد میرے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں۔ اردو میں اپنے موضوع پر غالباً یہ پہلی کتاب ہے اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ دو سال میں ہزار ہزار کے اس کے دو ایڈیشن نکل گئے ہیں۔

''کائنات کے پانچ راز'' 32 صفحات پر مشتمل میری ایک مختصر کتاب ہے۔ اس میں مَیں نے قرآن وسنت اور جدید ترین سائنسی انکشافات کی روشنی میں ''برمودا مثلث'' کا معما حل کرنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ دنیا میں گرمی کیوں بڑھ رہی ہے، گلیشیر کیوں پگھل رہے ہیں۔ علمی حلقوں میں یہ تحقیق بہت پسند کی گئی ہے۔

سوال ضیاء الحق مرحوم خواہش کے باوجود نصاب تعلیم کو اسلامی سانچے میں کیوں نہ ڈھال سکے؟

جواب ضیاء الحق مرحوم نے نصابات کے حوالے سے خاصا کام کرایا تھا۔ موصوف کا یہ صدقۂ جاریہ ہے کہ انھوں نے ڈگری کلاس تک اسلامیات لازمی اور مطالعہ پاکستان کو نصاب کا ضروری حصہ بنا دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں نصابی کتابوں میں خاصا گند بھر دیا گیا تھا۔ ضیاء الحق مرحوم نے اقتدار میں آتے ہی نسیم حجازی کی نگرانی میں ایک نصابی جائزہ کمیٹی بنائی تھی جس نے اس گند کو صاف کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں میرے دو ذاتی تجربے بھی ہیں۔ بھٹو دور میں انٹرمیڈیٹ کی اردو لازمی کتاب ''مرقع ادب'' میں خاصی قابلِ اعتراض باتیں تھیں۔ میں نے اس کتاب پر ایک تنقیدی مضمون لکھا۔ وہ ایک رسالے میں شائع ہوا اور کتاب فوری طور پر نصاب سے خارج کر دی گئی۔

اسی طرح انگلش میڈیم اسکولوں میں پہلی جماعت میں آکسفورڈ پریس کی ایک انگریزی کتاب پڑھائی جا رہی تھی۔ میں نے اس پر ایک تفصیلی مراسلہ روزنامہ ''جنگ'' میں چھپوایا اور یہ کتاب ایک ہفتے کے اندر اندر پورے ملک میں بین کر دی گئی۔

رہی یہ بات کہ موصوف محترم ''خواہش کے باوجود نصاب تعلیم کو اسلامی سانچے میں کیوں نہ ڈھال سکے؟'' تو اس کا بنیادی سبب افغانستان کی جنگ ہے۔ ضیاء الحق مرحوم اقتدار میں بمشکل اپنے پاؤں جمانے ہی پائے تھے کہ روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کر دیں۔ اور یہ فوجیں وہاں پکنک کے لیے نہیں آئی تھیں۔ انھیں روس کے دیرینہ پروگرام کے مطابق آگے بڑھ کر بلوچستان پر قبضہ کرنا تھا اور پھر بحیرۂ عرب اور خلیج فارس پر تسلط قائم کرنا تھا۔ خدانخواستہ روس اس منصوبے میں کامیاب ہو جاتا تو تصور کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کا کیا حال ہوتا۔ ظاہر ہے اس کا وجود ختم ہو جاتا اور اسے روس اور بھارت باہم تقسیم کر لیتے۔ یہی نہیں بحیرۂ عرب اور خلیج فارس میں پہنچ کر روس انتہائی حماقت کرتا اگر کویت، عرب امارات اور سعودی عرب کے تیل کے چشموں پر قابض نہ ہو جاتا۔

اس انتہائی نازک صورتِ حال میں ضیاء الحق مرحوم نے محض اللہ کے بھروسے پر مجاہدین کے تعاون سے روس کے خلاف مزاحمت شروع کر دی اور ڈھائی سال تک تن تنہا روسی فوجوں کا مقابلہ کرتے رہے حتی کہ مجاہدین کی بے مثال کارکردگی کو دیکھ کر امریکہ بھی میدان میں آ گیا اور چند سال میں حالات نے غیر معمولی صورت اختیار کر لی حتی کہ روس کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اس صورت حال میں اولین فریضہ ملک کی سالمیت کو بچانے اور عالمِ اسلام کا نقشہ مسخ کرنے کی روسی کوشش کو ناکام بنانے کا تھا اور اس میں ضیاء الحق مرحوم سو فیصد کامیاب رہے، بلکہ ایٹمی پروگرام کو مکمل کرنے کا شرف بھی انھیں ہی حاصل ہوا جس کی وجہ سے پاکستان کا دفاع اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے۔

میری معلومات کی حد تک اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں ضیاء الحق مرحوم بہت کچھ کرنا چاہتے تھے مگر ایک تو وہ اس انتظار میں تھے کہ افغان جہاد نتیجہ خیز منزل تک پہنچ جائے، دوسرے مصدقہ خبر کے مطابق امریکہ نے انھیں دھمکی دی ہوئی تھی کہ جس حوالے سے چاہو جتنا پیسہ اور اسلحہ لے لو، لیکن اگر آپ نے پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کیا تو ہم اسے ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ دریں اثنا صدر ضیاء نے جنیوا معاہدے پر دستخط کر کے افغان جہاد کے ثمرات کو سبوتاژ کرنے والی جونیجو گورنمنٹ کو برطرف کر دیا تو 14 اگست 88ء کو موصوف نے اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کر دیا اور اس کے تین ہی دن کے بعد انھیں اور ان کے قریبی ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.



انسانی خون





ڈاکٹر طارق ریاض

اللہ تعالیٰ نے جہاں ہمیں بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ اگر ان کو شمار کرنا شروع کر دیں تو ہماری گنتی اور ہماری سوچ کی انتہا تو ہو سکتی ہے مگر ان نعمتوں کا شمار کیا جانا ناممکن ہے۔ ہمارے جسم میں دل کی دھڑکن پر دوڑنے والا خون (Blood) بھی بلاشبہ ربِ کائنات کی ایک عظیم نعمت ہے۔ بہت کم لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ انسانی جسم میں خون کا کردار کیا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے جسم میں موجود خون کا جو کردار ہے اس کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

- خون ہمارے جسم کے تمام خلیوں (Cells) کو گیلا (Moist) رکھتا ہے۔
- یہ جسم کے ایک حصے سے دوسرے حصوں تک مادوں کی نقل و حمل کا ذمہ دار ہے۔ ان مادوں میں غذا کا ہضم شدہ حصہ، نمکیات، پانی، بے کار مادے وغیرہ شامل ہیں۔
- ہمارے غدود سے خارج ہونے والے ہارمونز (Hormones) بھی براہ راست خون میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ ہارمون اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ کر اہم کردار ادا کرتے ہیں۔
- ہم سانس کے ذریعے جو آکسیجن اندر لے کر جاتے ہیں اور سانس کے ذریعے کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر خارج کرتے ہیں، ان دونوں گیسوں کی نقل و حمل بھی خون کی مدد سے ہوتی ہے۔
- خون کا اہم ترین کام ہمیں بیماریوں کے ذمہ دار جراثیم سے بچانا ہے۔ بیکٹیریا اور اس طرح کے دیگر جرثومے جب حملہ آور ہوتے ہیں تو ہمارے خون میں موجود نیوٹروفلز (Neutrophils) اور مونو سائٹس (Monocytes) جسم میں داخل ہونے والے جراثیم کا خاتمہ کر ڈالتے ہیں۔ یوں ہم بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔
- خون میں موجود سیلز لمفو سائیٹس (Lymphocytes) ہمیں بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت مہیا کرتے ہیں۔
- علاوہ ازیں اس میں انٹرفیرون اور اینٹی ٹوکسن جیسی پروٹینز بھی ہوتی ہیں جو ہمیں جراثیم کے پیدا کردہ زہریلے مادوں سے بچاتی ہیں۔
- ہمارے جسم میں پانی و نمکیات کی مقدار میں توازن پیدا کرتا ہے۔
- جسم کے درجۂ حرارت کو برقرار رکھنے میں مددگار ہوتا ہے۔
- جسم میں موجود خوردبینی خون کی نالیاں جنھیں کیپی لیریز (Capillaries) کہتے ہیں، اس مقام پر خون اور جسم کی بافتوں کے درمیان کار آمد اور بے کار مادوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔
- خون میں کچھ مادے، مثلاً: ہیپارین (Heparin)، ہیسٹامین (Histamine) وغیرہ خون میں کیمیائی مادوں کی مقدار میں توازن پیدا کرتی ہیں۔
- اگر ہمیں کوئی چوٹ لگ جاتی ہے تو خون



کے جمنے اور زخم کے مندمل ہونے میں بھی خون ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

درج بالا تفصیل سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ پروردگار نے ہمارے لیے یہ کتنی بڑی نعمت پیدا کی ہے۔ صرف ایک خون (Blood) جیسی نعمت سے وہ کتنے کام لے رہا ہے۔

انسانی لہو کے دو بڑے حصے ہیں:

اول: پلازما (Plasma)

دوم: خون کے خلیے یا سلیز (Cells)۔

پلازمہ بلحاظ حجم 55 فیصد جبکہ خون میں بلحاظ حجم خون کے سیلز 45 فیصد ہوتے ہیں۔ پلازمہ میں 90 فیصد پانی پایا جاتا ہے جبکہ 10 فیصد نمکیات، خوراک، پروٹینز اور بے کار مادے وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ پلازمہ میں تقریباً 0.9 فیصد نمکیات ہوتے ہیں جن میں نمک (سوڈیم کلورائیڈ) خاص طور سے اہم ہے۔ اسی طرح 7 سے 9 فیصد تک پلازمہ میں پروٹینز پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر پروٹین ہمارے جگر میں بنتی ہیں۔ ''Globulins'' نامی پروٹین ہمیں جراثیم سے تحفظ دیتی ہیں۔ ''Prothrombin'' نامی پروٹین ہمارے زخموں سے خون کے بہاؤ کو روکنے میں مدد دیتی ہے۔ اسی طرح ''Fibirinogen'' نامی پروٹین ہمارے زخموں کو مرمت کرنے میں کردار ادا کرتی ہے۔ ہمارے خون کے پلازمہ میں گلوکوز، چکنائیاں، پروٹینز، امائنوایسڈز، لیکیٹک ایسڈ اور کولیسٹرول بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ کولیسٹرول ہمارے جنسی اعضاء کے ہارمونز بنانے میں کردار ادا کرتا ہے۔ پلازمہ میں نائیٹروجنی بے کار مادے بھی پائے جاتے ہیں جو جسم میں کیمیائی تعاملات کے دوران بنتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہارمونز اور آکسیجن و کاربن ڈائی آکسائیڈ بھی ہمارے خون کے پلازمہ میں شامل ہوتے ہیں۔

خون ہمارے جسم کے کل وزن کا 1/12 واں حصہ ہوتا ہے۔ جبکہ صحت مند فرد کے خون کی پی ایچ (pH) 7.4 ہوتی ہے۔ اگر یہ پی ایچ ڈسٹرب ہو جائے تو کئی طرح کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے خون میں کئی طرح کے سیلز (Cells) بھی ہوتے ہیں۔ جن میں خون کے سرخ خلیے یعنی '' Red Bolld Cells'' '' Erythrocytes'' خاص طور سے اہم ہیں۔ ان سیلز میں مرکزہ (Nucleus) نہیں ہوتا۔ جبکہ سرخ رنگ کی پروٹین ہیموگلوبن (Haemoglobin) پائی جاتی ہے۔ جس وجہ سے انسانی خون سرخ دکھائی دیتا ہے۔ یہ پروٹین آکسیجن کو جذب کرتی ہے اور جسم کے ہر حصے کو آکسیجن سپلائی کرتی ہے۔ اسی طرح جسم کے تمام حصوں سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کو اکٹھا کرنے کا کام بھی کرتی ہے۔ مردوں کے ایک کیوبک ملی میٹر خون میں 5 سے 6 ملین سرخ خلیے پائے جاتے ہیں، جبکہ خواتین کے اتنے خون میں 4 سے 4.5 ملین سیلز پائے جاتے ہیں۔ خون میں دوسری طرح کے سیلز کو '' Leucocytes'' یا سفید خلیے (WBC) کہا جاتا ہے۔ وائٹ بلڈ سیلز سائز میں بڑے جبکہ تعداد میں 7 سے 8 ہزار فی کیوبک ملی میٹر ہوتے ہیں۔ قوتِ مدافعت کے حوالے سے یہ بڑے اہم سیلز ہیں۔ ان کی کئی اقسام ہیں۔ ان سیلز میں نیوکلیس بھی پایا جاتا ہے۔ انسانی سفید خلیوں کی 5 اقسام ہیں:

- نیوٹروفلز (Neutrophils)
- ایوسینوفلز (Eosinophils)
- بیسوفلز (Basophils)
- مونوسائٹس (Monocytes) اور
- لمفوسائٹس (Lymphocytes)

مونو سائٹس کی عمر 10 سے 20 گھنٹے جبکہ لمفوسائٹس کئی مہینوں تک زندہ رہتے ہیں۔ یہ ہمیں بیماریاں پیدا کرنے والے جرثوموں سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ دونوں مونو سائٹس اور لمفوسائٹس خون میں تیرتے ہوئے زخموں کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں تا کہ جسم میں داخل ہونے والے جراثیم کو ہلاک کر سکیں۔ اس مار دھاڑ میں کئی سفید خلیے بھی مر جاتے ہیں۔ ہمارے زخموں میں جو پیپ (Pus) پڑ جاتی ہے وہ درحقیقت ہمارے مرے ہوئے خون کے سفید سیلز ہی ہوتے ہیں جو بیکٹیریا وغیرہ سے لڑتے ہوئے مارے جاتے ہیں۔ نیوٹروفلز بھی جراثیم کو ہلاک کرنے کا کام کرتے ہیں۔ جبکہ بیسوفلز ایک کیمیائی مرکب '' Heparin'' پیدا کرتے ہیں جو خون کو جمنے نہیں دیتے، اسی لیے ہماری رگوں میں خون جمتا نہیں لیکن یہی خون رگوں سے باہر نکل آئے تو جمنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے جسم میں بیماریوں سے لڑنے کی صلاحیت کو امیونٹی (Immunity) کہا جاتا ہے جو لمفوسائٹس فراہم کرتے ہیں۔

خون میں تیسری طرح کے سیلز کو پلیٹ لیٹس (Platelets) کہا جاتا ہے۔ آج کل ڈینگی

بخار کا بڑا شور ہے۔ اس بیماری کے جراثیم مریض میں سفید خلیوں اور پلیٹ لیٹس کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اسی لیے مریض میں ان سیلز کی تعداد گھٹ جاتی ہے۔ ایک صحت مند انسان کے فی کیوبک ملی میٹر میں 200000 سے 250000 تک پلیٹ لیٹس پائے جاتے ہیں۔ ہمارے خون میں ان سیلز کی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے زخموں کو مندمل کرنے میں فائبروجن پروٹین کی طرح اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

بظاہر تو خون محض ایک مائع ہے لیکن یاد رہے کہ یہ محض ایک پانی کی طرح مائع نہیں۔ اس کی وجہ سے زندگی قائم ہے۔ موروثی مسائل کی وجہ سے کئی طرح کی بیماریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ خون کا سرطان، تھیلیسیمیا، سکل سیل انیمیا (Sickle Cell Anemia) اس کی چند مثالیں ہیں۔ خون کے سیلز لاکھوں میں بنتے ہیں اور لاکھوں میں روزانہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ خون دراصل مائع شکل میں ایک بافت (Tissue) ہے جو عطیہ خداوندی سے کم نہیں۔ دودھ، سبزیاں، گوشت، دالیں، پھل یہ سب خون بنانے میں معاون ہیں۔ جب بچہ اپنی ماں کے رحم (Uterus) میں ہوتا ہے تو خون کے سیلز تلی اور جگر میں تیار ہوتے ہیں لیکن پیدائش کے بعد یہ ذمہ داری ہڈی کے گودے (Bone Massow) اٹھاتے ہیں۔ ہمیں دیگر نعمتوں کی طرح اس نعمت پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ خون کے دوڑنے سے ہماری زندگی دوڑتی ہے۔





دارُالسّلام

انعامی کوئز پروگرام

Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہِ اکتوبر کے درست جوابات

① موت ② کعب بن اشرف، عصماء بنت مروان اور ابن خطل ③ سیدنا محمد ﷺ ④ احمد ﷺ

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

کامران خاں (کراچی)، اکرم الدین (بدین)، محمد وقاص (خانیوال)، محمد اسد اللہ (جھنگ)، عثمان بن خالد، حمزہ شفیق (گوجرانوالہ)، قاری حبیب الرحمان (گجرات)، قمر حجازی (اوکاڑہ)، ایم خالد فاروق (لاہور)، فیصل احمد (میر پور خاص)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

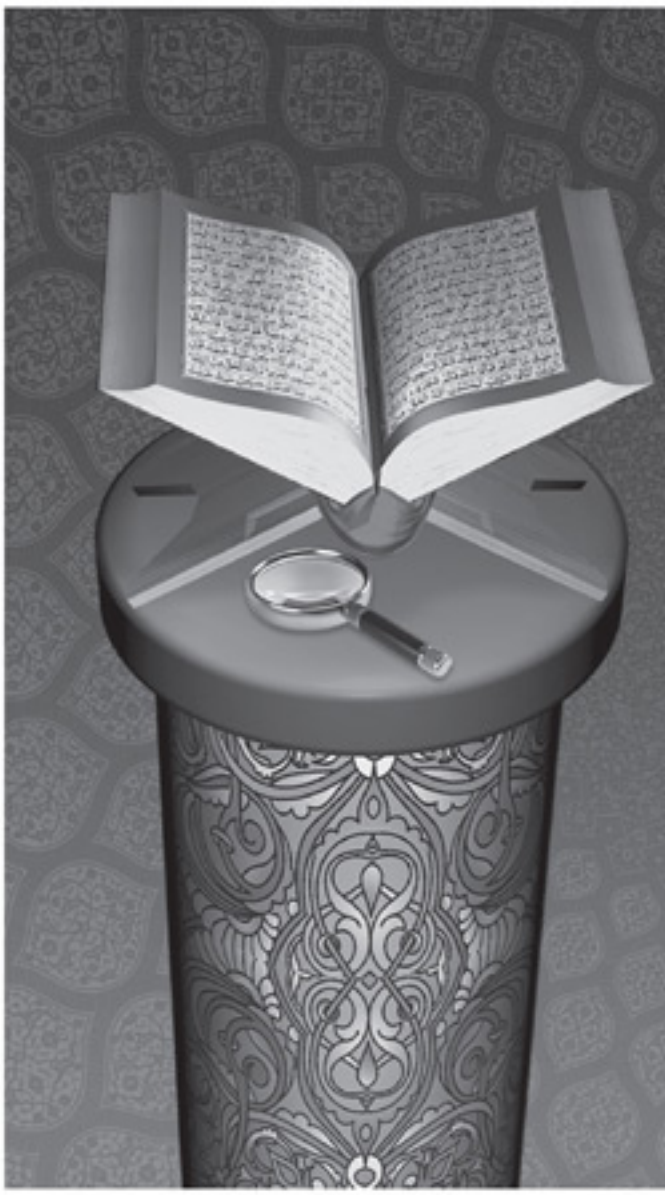
① دین اسلام میں عزو شرف کا معیار تقویٰ ہے۔
② دو باتیں مسلمانوں میں کفر کی ہیں: نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔
③ خوش قسمت ہوگا وہ باپ جو ایسے حالات میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔
④ جدید ایجاد ''موبائل'' نے اس نظام میں مزید خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① محرم الحرام میں کن کن بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے؟
② عاشوراء کے روزے کی فضیلت کیا ہے؟
③ محرم کے مہینے کو کس کا مہینہ کہا گیا ہے؟
④ حرمت والے مہینے کتنے اور کون کون سے ہیں؟

(قارئین جوابات بذریعہ ''ای میل'' بھی بھیج سکتے ہیں۔
(Sh.Siddiq7@Gmail.com)

(قرعہ اندازی میں شامل ہونے کے لیے جوابات کا ہر مہینے کی 20 تاریخ تک پہنچنا ضروری ہے۔)



اقوام کی عروج کا سبب

قرآنِ مجید

عبدالمالک مجاہد

قرآن کریم کی خوبیاں اور فضائل بے شمار ہیں۔ اس کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ یہ فطرت کے عین مطابق، بناوٹ سے پاک، سادہ اور بے تکلف طرز تخاطب سے انسان کی عقل وشعور کو جھنجوڑتا ہے اور خالق کائنات کی بندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس نے ہمیں اور پوری کائنات کو پیدا فرمایا۔

قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس پر عمل پیرا ہوکر قومیں عزت اور وقار حاصل کرتی ہیں۔ ان کو عروج حاصل ہوتا ہے۔ یہ صاف ستھری واضح کتاب جس میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں ہے ۔ ہماری ہر طرح رہنمائی کرتی ہے اور ہمیں واضح طور پر بتاتی ہے کہ اگر تم کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو، اگر تم فلاح کے متمنی ہو اور اگر تم ترقی کے خواہشمند ہو تو پھر میرا راستہ بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ میری ہدایات پر عمل کرو۔ میں اللہ کی کتاب ہوں، میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہوں۔ میں امام مبین ہوں۔ میں پیغام ہدایت ہوں ،میں چشمہ ہدایت ہوں، میں نور مبین ہوں۔ میں ایک اللہ کی عبادت اور اس کے آخری رسول ﷺ کی اطاعت کی دعوت دینے آیا ہوں۔ میں واضح کرنے آیا ہوں کہ سب انسانوں کا رب ایک ہے وہ واحد لاشریک ہے۔اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔اس جیسا کوئی نہیں ۔اگر تمھیں اپنی جبین نیاز جھکانی ہے تو صرف اللہ رب العزت کے حضور جھکانی ہے۔ اگر مانگنا ہے تو صرف اسی وحدہ لاشریک سے مانگنا ہے اور پھر جب تم خالق حقیقی کو مان لو گے، اس کی پہچان کرلو گے تو ساری کائنات تمھارے لیے مسخر اور تابع ہو جائے گی۔ پھر تاریخ نے دیکھا کہ جن لوگوں نے قرآن کی تعلیمات پر عمل کیا، اس کو مشعل راہ بنایا، وہ قومیں ترقی کی معراج کو پہنچ گئیں، ان کو عزت و وقار ملا، اور جن لوگوں نے اس قرآن کریم سے اعراض کیا اس کی تعلیمات کو نہ مانا اور ان پر عمل نہ کیا تو وہ قومیں تباہ وبرباد ہوگئیں۔ ان کی عزت خاک میں مل گئی۔قرآن کریم عربوں پر نازل ہوا۔قرآن کریم کے نزول سے قبل مکہ والوں کی حالت وکیفیت یہ تھی کہ دنیا کا کوئی



گناہ اور دنیا کا کوئی جرم ایسا نہ تھا جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔ شراب وہ پیتے تھے، جوا وہ کھیلتے تھے۔ زنا وہ کرتے تھے۔ لوگوں کا مال ہڑپ کر کے کھا جانا اور لوگوں کا حق ادا نہ کرنا ان کے ہاں عام سی بات تھی۔ غلاموں کا کوئی مقام اور مرتبہ تھا نہ ان کا کوئی حق تھا۔ ان پر جیسے چاہتے ظلم کرتے۔ ان کو مارتے ان سے دن رات کام لیتے؛ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ غیرت بتدریج ختم ہوتی چلی جارہی تھی۔ بے حمیتی اس قدر عام ہوچکی تھی کہ جن لوگوں میں تھوڑی بہت حمیت باقی تھی وہ اپنی بچیوں کو پیدائش کے وقت ہی زندہ درگور کردینا مناسب خیال کرتے تھے۔

سب سے بڑا جرم اور ظلم یہ تھا کہ ان کے باپ دادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے جو بیت اللہ تعمیر کیا تھا، اس مقدس گھر میں ایک اللہ کی پوجا کے بجائے بہت سارے بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ پتھر اور لکڑی کے خود تراشے ہوئے بت جو کسی بھی نفع ونقصان کے مالک نہ تھے، ان کے سامنے جھکتے، نذریں اور نیازیں پیش کرتے۔ ان کے نام پر فال نکالتے۔ لات اور عزیٰ کے نعرے لگاتے اور دیگر اقوام کو بھی اس عظیم گناہ میں شریک کرتے تھے۔

وہ دنیا کی سب سے پست قوم تھی۔ وہ قطعاً بہادر اور عزت والی قوم نہ تھی۔ ان کی کوئی منظم حکومت نہ تھی اور انھوں نے بیرونی حملہ آوروں کے خلاف متحد ہو کر کبھی مقابلہ نہ کیا تھا، چنانچہ جب یمن کے بادشاہ ابرہہ ان کی سب سے مقدس بستی پر ہاتھیوں کو لے کر چڑھ دوڑا تو وہ بجائے اس مقدس گھر کی حفاظت کرنے اور اس کی خاطر لڑنے کے اس شہر کو خالی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اور جب کسی نے ان سے کہا: ارے! اس کعبہ کی بدولت تمھیں پورے عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی حفاظت کیوں نہیں کرتے۔ اس کو بچانے کے لیے لڑائی کیوں نہیں کرتے۔ دشمن کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے تو ان کے سردار کا جواب تھا کہ جس کا یہ گھر ہے وہ خود اپنے گھر کی حفاظت کرلے گا۔

ان حالات میں آسمان سے رحمت کی برکھا برسی۔ رب کائنات نے سید ولد آدم محمد عربی ﷺ کے سر پر تاج نبوت رکھا۔ ان کو کائنات کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا، اور پھر غار حرا میں ان پر ایک ایسی کتاب کا آغاز ہوا جس نے عربوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ قرآن کریم ان کے لیے ایک نسخۂ کیمیا بن کر آیا۔ یہ ان کے دلوں کی دھڑکن اور ان کے سینوں کی شفاء بن گیا۔ زمانے بھر کی بیماریاں، خرابیاں اور کمزوریاں ختم ہوگئیں۔

اتر کر حراء سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہء کیمیا ساتھ لایا

عرب کے ان بدوؤں نے قرآن کریم کو سینے سے لگایا۔ اس کے پیغام کو سمجھا۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیمات پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ اور پھر چند سال کی بات تھی ..... دیکھتے دیکھتے عرب کی قوم کائنات کی سب سے زیادہ باعزت اور باوقار قوم بن جاتی ہے۔

کائنات کے امام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی امت کو ایک سبق پڑھایا کہ دیکھو! اس قرآن کی بدولت اللہ رب العزت قوموں کو ترقی اور عروج عطا فرماتا ہے اور اسی قرآن کی بدولت قوموں کو ذلت ورسوائی سے ہمکنار کرتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان اتنا واضح تھا کہ بلاشبہ جن قوموں نے جن قبیلوں نے جن افراد نے اس قرآن پر عمل کیا، اس کی تعلیمات کو اپنایا، وہ دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا پر چھا گئیں۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے ہیں تارکِ قرآں ہوکر

قرآن پاک نے قوموں کو عروج وترقی کا طریقہ بتایا کہ اگر تم عزت چاہتے ہو، ترقی چاہتے ہو، اور چاہتے ہو کہ ساری کائنات تمھارے تابع ہوجائے تو پھر پستیوں سے بلند ہو کر عرش والے سے رشتہ جوڑ لو۔ عقیدۂ توحید کو دلوں میں راسخ کرلو۔ قرآن پاک کا بیشتر حصہ توحید کی دعوت پر مبنی ہے۔ قرآن کریم کا یہ پیغام اللہ کے رسول ﷺ صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر قریش کے سامنے رکھتے ہیں۔

اور پھر عرب کے بدوؤں نے یہ سبق پڑھا۔ وہ قوم جس نے کعبہ میں 360 بت رکھے ہوئے تھے، جو خود تراشیدہ بتوں کی پوجا کرتی تھی، جب انھوں نے قرآن کی تعلیمات پر عمل کیا، اس کی تعلیمات کو مشعل راہ بنایا تو پھر روئے زمین پر ابر رحمت بن کر چھا گئے۔ اس طرح چھائے کہ عقبہ بن نافع بحر ظلمات (بحر اوقیانوس) کے سامنے اپنا گھوڑا روک کر اپنے سپاہیوں کو رکنے کا اشارہ کر کے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے۔ سامنے حد نگاہ تک سمندر ہی

سمندر تھا۔ زمین کا کوئی کنارہ نظر نہیں آیا۔ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے اور سر کو سجدے میں رکھا۔ کہنے لگے: ”اے اللہ! سامنے پانی ہی پانی ہے، زمین کا کوئی سرا نظر نہیں آ رہا۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ ان سمندروں کے پار بھی کوئی مخلوق بستی ہے تو تیری کبریائی کی قسم، میں ان گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دوں۔ تب تلک چلتا رہوں جب تلک زمین کا ایک ٹکڑا بھی باقی بچ جائے اور اس وقت رکوں جب محمد عربی ﷺ کا پرچم اس زمین کے آخری ٹکڑے پر لہرا دوں۔“

قرآن کریم نے لا الہ الا اللہ پر سب سے زیادہ زور دیا۔ اور یہی کلمہ، یہی نعرہ قوموں کی ترقی اور عروج کا سبب بنتا ہے۔ جب ہم اس قرآنی فیصلے کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ سب سے بڑی ذات صرف اللہ کی ہے، نفع اور نقصان کا تنہا وہی مالک ہے، وہی زندہ کرنے والا، وہی مارنے والا، عزت وذلت کا مالک وہی ہے تو پھر انسان کا ملجا وماویٰ صرف رب کی ذات ہوتی ہے۔

وہ قومیں جنھوں نے اس قرآن کو پڑھا، اس کو اپنے سینے میں محفوظ کیا، وہ لوگ جو اس کے حافظ، اس کے عالم اور پھر اس پر عمل کرنے والے بنے؛ ان کی شان کس قدر بلند ہوئی؟ آیئے تاریخ کے سنہرے اوراق میں سے ایک واقعہ پڑھتے ہیں:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ کے علاقے میں تشریف لے جاتے ہیں۔ اس وقت مکہ کے گورنر سیدنا نافع بن حارث رضی اللہ عنہ تھے۔ عسفان نامی جگہ پر ان دونوں کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے اس گورنر سے مکہ مکرمہ کے حالات دریافت فرما رہے ہیں۔ آپس میں تبادلہ خیال ہو رہا ہے۔ اچانک انھوں نے نافع سے سوال کیا:

تم مجھ سے ملاقات کے لیے یہاں آئے ہو مگر یہ تو بتاؤ کہ اپنے بعد کس کو مکہ کا گورنر بنا کر آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ کو۔

پوچھا: ابن ابزیٰ کون ہے؟

ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک ہے۔ انھوں نے جواباً کہا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھا: تم نے لوگوں پر ایک آزاد کردہ غلام کو حاکم مقرر کر دیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں اس لیے کہ بلاشبہ وہ کتاب اللہ کا قاری اور علم وراثت کا عالم ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنا تو ارشاد فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَاماً وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ» ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سی قوموں کو بلند مقام پر فائز فرمائے گا اور اسی کی مخالفت کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل وخوار کرے گا۔“

(صحیح مسلم: 817)

ذرا غور فرمائیں ایک آزاد کردہ غلام جس کا عربوں کے اس معاشرے میں کوئی مقام نہ تھا۔ کوئی جاہ وجلال تھا نہ مال ودولت، نہ حسب نسب، نہ کوئی رتبہ، اہل دنیا کے پیمانے کے مطابق وہ دوسروں کی نسبت بڑا کمتر تھا۔ مگر قرآن کریم کا حامل ہونے کی وجہ سے، اس کا قاری اس کا عالم ہونے کے سبب اس کا مقام اور مرتبہ یہ بنتا ہے کہ قرآن نے اسے آزاد کردہ غلام کے درجے سے اٹھا کر فرماں روائی کے منصب تک پہنچا دیا۔ قرآن کے علم نے اسے یہ صلاحیت عطا کر دی کہ وہ لوگوں کو حکم دے اور ان کے مابین فیصلے کرے۔ اس کی زبان سے جاری ہونے والے کلمات نافذ ہونے لگے اور معاشرے کے باسی اس کی رائے کو کان لگا کر سننے لگے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے عالم اور حافظ کے مقام ومرتبہ اور فضیلت سے خوب واقف تھے۔ اس لیے انھوں نے حضرت نافع کے اس انتخاب کو برقرار رکھا، اس کی توثیق فرمائی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں قرآن کریم کے حفاظ اور قراء کو یہ شان بخشی تھی کہ ان کی مجلس مشاورت کے شرکاء قاری صاحبان ہوتے تھے، خواہ وہ بوڑھے ہوتے یا جوان۔ واضح رہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود بھی حافظ قرآن تھے، ان کے عہد حکومت میں کلیدی عہدوں پر تقرر کا یہی معیار تھا کہ عہدے دار قرآن کریم کا عالم اور حافظ ہو۔

عہد صحابہ میں سرکاری طور پر قرآن مجید کی تعلیم اور تبلیغ کا اس قدر اہتمام تھا کہ گورنر شام نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ باشندگان شام کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ آپ ایسے علماء بھیجیں جو انھیں قرآن کے احکام سکھائیں۔ چنانچہ سرکاری طور پر قرآن پاک کی تعلیم دینے کے لیے حمص، دمشق اور فلسطین

میں قاری بھیجے گئے۔

یہ بات آزمودہ ہے کہ آدمی جتنا قرآن کریم سے قریب تر ہوتا ہے اس کی تلاوت کرتا ہے، اس کو حفظ کرتا ہے یا اس کے معانی اور مطالب پر غور کرتا ہے، اتنا ہی وہ بتدریج اللہ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سب سے پہلے حافظ قرآن اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔ اس لیے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب کسی نے سوال کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق کیسا تھا؟ تو انھوں نے جواب میں سائل سے پوچھا کہ کیا تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا۔ اور پھر فرمایا: ”آپ کا اخلاق تو قرآن تھا۔“ (مسند أحمد: 91/6)

ان الفاظ کے بڑے وسیع مفاہیم ہیں۔ ان کی مراد یہ تھی کہ جن کاموں کو کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے اور جن سے منع فرمایا ہے اللہ کے رسول ﷺ ان پر مکمل طور پر کاربند تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ خود قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ اس کا اہتمام فرماتے۔ اور جو قرآن کا زیادہ حافظ ہوتا اس کی زیادہ عزت اور قدر فرماتے تھے۔ غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ جب ان کو دفن کرنے کا مرحلہ آیا تو جن کو زیادہ قرآن یاد تھا انھیں ترجیح دی جاتی اور ان کو آگے کیا جاتا تھا۔ اور صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قرآن کریم کو سیکھنے اور سکھانے میں خوب محنت وجستجو کی۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ شدید خواہش کے باوجود کم سنی کے باعث غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے جس کا انہیں شدید رنج تھا۔ اور پھر ایک دن اللہ کے رسول ﷺ کی قربت حاصل کرنے کے لیے اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

والدہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے اس بیٹے کو قرآن کریم کی سترہ سورتیں زبانی یاد ہیں۔ اور یہ اس طرح صحیح تلفظ سے پڑھتا ہے جس طرح آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوا ہے۔ آپ چاہیں تو اس سے سن لیں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے قرآن سنا تو بہت خوش ہوئے۔ اور جب اللہ کے رسول ﷺ کو معلوم ہوا کہ زید کو عربی زبان لکھنا پڑھنا بھی آتی ہے تو ارشاد فرمایا: ”زید! میرے خط کتابت کے کام کے لیے یہود کی عبرانی زبان سیکھو، مجھے ان پر اعتماد نہیں۔“ (مسند أحمد: 186/5) اور یوں نوجوان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کی برکت سے رسول اللہ ﷺ کی قربت میسر آئی۔ اور اسی قرآن کریم سے تعلق کی بنا پر ان کو یہ عروج اور ترقی نصیب ہوئی کہ وہ کاتب وحی کے اہم ترین منصب پر فائز ہوگئے۔

وہ خوش نصیب جن کو تلاوت قرآن کریم سے بڑا شغف تھا۔ ان کا تلفظ بڑا صحیح تھا، آواز بڑی دلکش اور خوبصورت تھی۔ انھیں بارگاہ الٰہی سے پیغامات ملے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت دل سے کی جائے اور آواز بھی پرترنم ہو تو پھر قرآن کریم کی تلاوت کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ پھر تو جی چاہتا ہے کہ قرآن کو سنتے چلے جائیں کہ یہ دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ خوبصورت آواز کے مالک ایک صحابی سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ اتنی خوبصورت آواز میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ اُبی بن کعب سے قرآن کی تلاوت کی سماعت کیجیے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتائی تو انھوں نے نہایت تعجب سے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا اللہ رب العزت نے میرا نام لیا ہے؟ ارشاد ہوا: ”ہاں! اللہ تعالیٰ نے تمھارا نام لیا ہے۔“ (صحيح البخاري: 4961) یہ سننا تھا کہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ خوشی سے رونے لگے۔ بلاشبہ ان کی خوش قسمتی کے کیا کہنے کہ اللہ رب العزت عرش پر ان کا نام لے رہا ہے اور جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آتا ہے تو حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کو باجماعت تراویح کے لیے امام مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ عزت، یہ شان، یہ مرتبہ کہ اللہ رب العزت اپنے بندے کا عرش پر نام لیں۔ بلاشبہ قرآن کریم سے تعلق کی بنا پر یہ اعزاز ملا۔

ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت قوموں کو عزت اور ترقی عطا فرماتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ خود بھی لوگوں کو قرآن کریم سناتے اور دوسروں سے سننا پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”عبداللہ! مجھے قرآن سناؤ۔“ انھوں نے عرض کی کہ اللہ کے رسول ﷺ! قرآن تو آپ کی ذات گرامی پر نازل ہوا ہے اور میں آپ کو



پڑھ کر سناؤں؟! ارشاد ہوا: ''مجھے دوسروں سے سننا اچھا لگتا ہے۔'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی خوبصورت آواز میں سورۃ النساء کی تلاوت شروع کردیتے ہیں۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ تو اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبداللہ سے ارشاد فرمایا: ''بس کرو۔''
(صحيح البخاري: 4582)

اب ہم اسلامی تاریخ کے حوالے سے کچھ واقعات پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اہل عرب نے، مسلمانوں نے قرآن کریم کو تھاما، اس کی تعلیمات پر عمل کیا تو پھر کس طرح انھیں عزت ملی اور کس شان سے انھوں نے دنیا کو فتح کیا۔

بقول حکیم شاعر علامہ محمد اقبال ؎

تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

ایک اور صحابی کا واقعہ

ہم اسلامی تاریخ کے حوالے سے ایک اور صحابی کا واقعہ سیرت کے اوراق سے پیش کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بھی ان صحابہ کو اعلیٰ مناصب عطا فرمایا کرتے جن کو قرآن سے محبت تھی۔ وہ اس کے قاری تھے اور خوبصورت آواز میں پڑھتے تھے۔ ان خوش قسمت لوگوں میں جن کو قرآن کریم کی بدولت عزت ووقار نصیب ہوا، ایک صحابی سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ ان کا شمار ایسے خوش قسمت قراء میں تھا جن کی آواز بڑی خوبصورت تھی اور وہ بڑی دلکش تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سن لیا تو ارشاد فرمایا: ''ابو موسیٰ! تمھیں تو اللہ تعالیٰ نے لحن داودی سے نوازا ہے۔'' (جامع الترمذي: 3855) سبحان اللہ! خوبصورت آواز بھی قدرت کا عطیہ ہے۔ وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں جن کو خوبصورت آواز کا عطیہ ملا ہو اور وہ اسے رب کے دین کو پھیلانے کے لیے استعمال کریں۔ اب دیکھیے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو قرآن سے تعلق کی بنا پر کیا صلہ ملتا ہے۔

صحابہ کرام کا قرآن سے تعلق

یمن کا علاقہ اس دور میں بڑا زرخیز اور مشہور علاقہ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک صوبے کا گورنر سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو بنا دیا۔ اور دوسرے صوبے کا گورنر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بنا دیا۔ یہ بھی قرآن کریم کے بہت بڑے قاری اور حافظ تھے۔ ایک مرتبہ دونوں اپنی گورنری کے دور میں اکٹھے ہوئے۔ ملاقات کے دوران انھوں نے ایک دوسرے سے قرآن کریم کی تلاوت کے حوالے سے گفتگو کی۔

ذرا غور کریں کہ دونوں گورنر ہیں۔ اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں۔ مگر اس کے باوجود قرآن کریم کی تلاوت سے غافل نہیں، بلکہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے سوال کرتے ہیں: آپ قرآن کریم کی کب اور کتنی تلاوت کرتے ہیں؟

جواب ملا: ''میں تو بیٹھے بیٹھے، کھڑے کھڑے اور سواری پر بھی تلاوت کرتا رہتا ہوں۔ گویا انھوں نے قرآن کریم کی تلاوت کے لیے روزانہ ایک حصہ مقرر کر رکھا تھا۔ اور وہ چلتے پھرتے بھی قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ اب سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ یہی سوال کرتے ہیں کہ آپ کی تلاوت کا کیا حال ہے؟'' اس کے جواب میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں رات کو جلد ہی سوجاتا ہوں اور پھر کچھ دیر سونے کے بعد اٹھ جاتا ہوں، اور میں رات کے وقت اپنی منزل پوری کرتا ہوں۔'' ذرا غور فرمائیں منصب کی ذمہ داریاں اپنی جگہ مگر قرآن کریم کی تلاوت سے کسی حالت میں بھی غافل نہیں رہتے، بلکہ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، سواری پر قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا صحابہ کرام تو کوئی لمحہ بھی ضائع نہ کرتے تھے بلکہ اپنا بیشتر وقت اپنے رب کو راضی کرنے میں گزارتے تھے۔ ان کی زندگی کا واحد مقصد ہی صرف رب کی خوشنودی حاصل کرنا تھا۔

قرآن کریم سے تعلق، اس کی تلاوت، اس کے معانی پر تدبر اور غور وفکر اور قرآن کریم پر عمل پیرا ہونے کا کیا نتیجہ نکلا؟ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں عزت، عظمت، عروج اور ایسا غلبہ عطا فرمایا جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ ان کے پاس زیادہ اسلحہ نہ تھا، جدید ٹیکنالوجی بھی نہیں تھی اور دنیا کی دیگر نعمتیں بھی میسر نہ تھیں، مگر ان کی کیفیت کا اندازہ ہم تاریخ اسلام کے اوراق کے مطالعہ سے کر سکتے ہیں۔

(جاری ہے)





آپ کے سوالات اور ان کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق، ریسرچ فیلو دارالسلام

سوال کیا بیمہ پالیسی حرام ہے؟ دلائل سے وضاحت کریں۔

جواب چونکہ بیمہ کی مروجہ مختلف اقسام ہیں اس لیے جواب بھی قدرے تفصیل کا متقاضی ہے لیکن ابتدائی طور پر مختصراً عرض ہے کہ جب بیمہ یا انشورنس بلا قید استعمال ہو تو اس سے کمرشل انشورنس (کاروباری بیمہ) ہی مراد ہوتا ہے جو شرعاً حرام ہے۔ اس کی بعض قسمیں سود اور غرر (دھوکے کے معاملے) کی بنا پر حرام ہیں اور بعض سود، غرر، قمار (جوا) اور بیمہ کرانے والے کی طبعی یا حادثاتی موت پر ایک نامزد کردہ شخص کے علاوہ دیگر ورثاء کو محروم کر دینے کی بنا پر حرام قرار پاتی ہیں۔ جبکہ بیمہ کی ایک صورت تعاونی ہے اور امداد باہمی پر مشتمل ہے۔ عربی میں اسے التأمین التبادلی اور انگریزی میں میوچل انشورنس (Mutual Insurance) کہتے ہیں، اس میں تجارت مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف باہمی تعاون مقصود ہوتا ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تنظیم، ادارہ یا کچھ لوگ باہم مل کر ایک فنڈ تشکیل دیتے ہیں اور بوقت ضرورت یا ناگہانی آفت و حادثہ کے موقع پر ہر متاثرہ شخص کو اس سے تعاون فراہم کیا جاتا ہے، مثلاً: سو آدمیوں نے ملکر ایک ایک لاکھ روپیہ فنڈ جمع کیا، ایک کڑور جمع ہو گیا، اب سب نے یہ طے کر لیا کہ ہم میں سے جس کسی کو بھی حادثہ پیش آ گیا تو ہم اس فنڈ سے اس کی امداد کریں گے۔ تو اس طرح وقتاً فوقتاً ان میں سے متاثرہ افراد کا تعاون ہوتا رہتا ہے، فنڈ کم پڑ جائے تو آپس میں مل کر مزید پیسے ڈال لیے جاتے ہیں، بچ جائیں تو انھی متاثرین پر تقسیم کر دیے جاتے ہیں یا آیندہ سال کے لیے محفوظ رہتے ہیں۔ تعاون کی یہ صورت تقریباً سب کے نزدیک جائز ہے، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں پائی جاتی۔

اس مختصر سی تمہیدی توضیح کے بعد اب مزید تفصیل سے بات کرتے ہیں: انشورنس، انگریزی زبان کے لفظ Insurance سے ماخوذ ہے جو دوسرے کو یقین دہانی کرانے اور ذمہ داری لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی ادارہ یا شخص مستقبل میں متوقع یا پیش آمدہ مالی خطرات و نقصانات کی تلافی کی کسی شخص سے حامی بھر لیتا ہے اور اس کی پوری ذمہ داری لیتا ہے۔ چنانچہ اس شرط پر دوسرا شخص ایک معینہ مدت تک مقررہ رقم کی قسط وار ادائیگی کرتا ہے۔ عربی میں اسے ''تأمین'' کہتے ہیں۔ یہ ''أمن'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی طمانیت یا خطرے سے محفوظ رہنے کے ہیں اور ''تأمین'' کے معنی فریق ثانی کو امن دینے اور اسے خطرات سے محفوظ رکھنے کے ہیں، چونکہ انشورنس کے ذریعے بھی انسان متوقع یا پیش آمدہ مستقبل کے مالی نقصانات و خطرات سے محفوظ رہتا ہے، اس لیے اس کو تأمین کہتے ہیں۔

بیمہ کی بنیادی اقسام

اس کی تین بڑی اقسام ہیں:

① زندگی کا بیمہ

عربی میں اسے ''تأمین الحیاة'' اور

انگریزی میں لائف انشورنس کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ فرد کمپنی سے ایک معاہدہ کرتا ہے جس کی روشنی میں وہ مقررہ رقم بالاقساط متعینہ مدت تک کمپنی کو ادا کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ شخص متعینہ مدت کے اندر اندر ہی فوت ہو جائے یا کسی حادثے کا شکار ہو تو معقود علیہ یا متعینہ معاوضہ اس کے نامزد کردہ شخص کو یکمشت مل جاتا ہے، اگرچہ طبعی موت یا حادثہ ایک یا دو قسطوں کی ادائیگی کے بعد ہی کیوں نہ پیش آ جائے اور اگر معینہ مدت گزر جائے اور تمام اقساط کی ادائیگی ہو چکی ہو تو اس کی اصل رقم کچھ اضافے کے ساتھ واپس کر دی جاتی ہے۔

بیمہ کی یہ قسم دو وجہ سے حرام ہے۔ ایک تو مقررہ رقم پر جو اضافہ ہے وہ شرعاً سود ہے اور سود کا ترک ضروری ہے، یہ اللہ تعالیٰ سے اعلانِ جنگ ہے۔ (البقرۃ 2: 278-279) دوسرا اس میں غرر (دھوکا) ہے۔ اور ہر وہ معاملہ جس میں دھوکے کا پہلو ہو شرعاً حرام ہوتا ہے۔ جیسے مادہ کے جنین کی بیع، ہوا میں اڑتے پرندے کی خرید وفروخت وغیرہ۔

لائف انشورنس میں غرر کی یہ صورت بنتی ہے کہ ممکن ہے کمپنی کی طرف سے متعینہ خطیر رقم اس کو مل جائے یا وہ اپنی ادا کردہ رقم ہی کچھ اضافے کے ساتھ پائے گا، گویا اس طرح یہ معاملہ غیر حتمی، یعنی ظنی اور موہوم ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ معقود علیہ پیسہ یا معاوضہ مجہول ہوتا ہے، اس کی مقدار متعین اور معلوم نہیں ہوتی۔ اس لیے اس میں سود بھی ہے اور غرر بھی لہٰذا ناجائز اور حرام ہے۔

② اشیاء کا بیمہ

عربی میں اسے ''تأمین الأشیاء'' اور انگریزی میں ''گڈز انشورنس'' (Goods Insurance) کہتے ہیں۔

اس کاروبار میں بھی متعینہ مدت تک مقررر رقم بالاقساط ادا کی جاتی ہے۔ اور اس کے عوض جس چیز کا بیمہ کرایا جاتا ہے، مثلاً: کار، فیکٹری، وغیرہ اس کے حادثاتی ضیاع یا تلف ہونے پر کمپنی کی طرف سے مالی نقصان کی پوری تلافی کی جاتی ہے۔ لیکن اگر بیمہ کرائی گئی چیز متعینہ مدت تک نقصان سے دو چار نہیں ہوتی اور متوقع خطرات ٹلے رہتے ہیں تو ادا کردہ اقساط واپس نہیں ہوتیں، نہ اصل رقم اور نہ اضافہ ہی۔ جمہور علمائے کرام کے نزدیک یہ ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ اس میں غرر ہے، ایک طرف سے اقساط کی صورت میں ادائیگی یقینی ہے اور دوسری طرف سے ادائیگی موہوم اور غیر حتمی ہے۔ اگر حادثہ پیش آ جائے تو ادائیگی ہو گی، حادثہ پیش نہ آئے تو ادائیگی نہیں ہو گی، اس میں غرر اور قمار (جوا) پایا جاتا ہے۔ اور جوا جوا حرام اور شیطانی عمل ہے۔''

(المآئدہ 5:90)

③ ذمہ داری کا بیمہ

عربی میں اسے ''تأمین المسؤلیات'' اور انگریزی میں ''تھرڈ پارٹی انشورنس'' کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بیمہ دار کے ذمہ کسی فریق ثالث کی طرف سے اگر کوئی متوقع مالی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو اس کی طرف سے شروط متعینہ اقساط کی ادائیگی کی بنا پر بیمہ کمپنی اس ذمہ داری کو پورا کرے گی، مثلاً: اگر گاڑی کے حادثہ سے کسی شخص کا نقصان ہوتا ہے تو متاثرہ شخص کی معاونت یا نقصان کی تلافی کے لیے بیمہ دار کی طرف سے بیمہ کمپنی ہی ذمہ دار ہو گی۔ یہ معاملہ بھی دھوکے اور جوئے پر مبنی ہے کیونکہ ممکن ہے فریق ثالث بیمہ دار کی گاڑی وغیرہ سے متاثر ہو یا نہ ہو، لیکن متعینہ اقسام کی ادائیگی حتمی ہے۔ اس لیے یہ ''ناجائز اور حرام ہے۔'' نیز شرعاً نقصان کا ذمہ دار اس شخص کو ٹھہرایا جاتا ہے جو براہ راست نقصان کرتا ہے یا نقصان کا سبب اور باعث ہوتا ہے جبکہ یہاں ذمہ دار بیمہ کمپنی کو ٹھہرایا جا رہا ہے جس نے نقصان کیا نہ اس کا سبب ہی بنی تو پھر اسے شرعاً ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جائے۔ المختصر کمرشل انشورنس کی تمام اقسام شرعاً حرام ہیں۔ جن سے اجتناب ضروری ہے۔ مزید تفصیل کے لیے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے (اسلام اور جدید معاشی نظام، تکافل اور اس کی شرعی حیثیت، دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم، جدید معاملات کے شرعی احکام وغیرہ)

پوری کائنات کی لعنت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا بھلا کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے میرے صحابہ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔'' (سلسلة الصحيحة: 2340)



حدیثِ ثقلین کا مفہوم



از افادات مولانا محمد نافع مدظلہ

''حدیث ثقلین'' مشہور و معروف حدیث ہے جسے آپ ﷺ نے غدیر خم کے مقام پر بیان فرمایا تھا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے: «أَمَّا بَعْدُ، أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الهُدٰى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ» فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: «وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُ كُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي» ''بعد از حمد وثنا، لوگو! میں بشر ہی ہوں۔ قریب ہے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ اجل آ جائے اور میں اسے لبیک کہہ دوں۔ میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں: ایک اللہ کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے، چنانچہ کتاب اللہ کو پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔'' پھر آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے پر ابھارا اور ترغیب دی۔ بعد ازاں فرمایا: ''اور (دوسرے) میرے اہل بیت ہیں۔ ان کے بارے میں مَیں تمھیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈر کر رہنا، اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد رکھنا۔''

(صحیح مسلم:2408)

یہ حدیث اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے حقوق کے بارے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے مگر اس حدیث کے تفہیم میں بعض لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ اصلاح کی غرض سے مولانا محمد نافع مدظلہ کی کتاب ''حدیثِ ثقلین'' سے کچھ صفحات پیش کیے جا رہے ہیں۔ جس میں مخلصانہ طور پر دعوتِ تحقیق دی گئی ہے اور فرقہ واریت کی بو تک نہیں۔ (ایڈیٹر)

تنبیہ اوّل

اس روایت میں کتاب اللہ کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کتاب اللہ کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے۔ اور حضور نبی کریم ﷺ کی بیویاں اور اولاد (جن کو اہل بیت سے تعبیر کیا گیا ہے) کے متعلق امت کو یہ وصیت فرمائی گئی ہے کہ ان کے ساتھ مودۃ و محبت وعمدہ سلوک وحسن معاملہ کیا جائے اور ان کے حقوق کی رعایت کی جائے، ان پر مظالم اور سختی نہ کی جائے۔ روایت ہذا میں اہلِ بیت اور ازواج مطہرات کے حق میں یہ حکم موجود نہیں ہے کہ ان کے ساتھ تمسک واجب ہے یا ان کی اطاعت بالا مستقلاً واجب ہے، یا یہ کہ جو ان

کے ساتھ تمسک نہ کرے گا۔ وہ گمراہ ہو گا ہدایت نہ پا سکے گا وغیرہ وغیرہ۔

مدعیان حب اہلِ بیت نے جو اس روایت کا معنی تجویز کیا ہے کہ قرآن مجید کتاب اللہ کی طرح اہلِ بیت کی اطاعت اور تابعداری واجب ہے اور اہلِ بیت کتاب اللہ کی طرح خطا سے معصوم ہیں۔ روایت ہذا کا یہ مطلب صحیح نہیں ہے بلکہ اس روایت ثقلین کا مفہوم وہی صحیح ہے جو جمہور اہلِ سنت نے بیان کیا ہے۔ اس پر ہم چند ایسے مؤیدات پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے ہمارے دوستوں کو بھی انکار نہ ہوگا اور وہ ان کے مسلمات میں سے ہوں گے۔

تائید اول

شیعہ علماء کی مشہور کتاب کشف الغمہ (از عیسیٰ اردبیلی، مطبوعہ ایران) کے صفحہ 16 پر زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ثقلین کی متعلقہ مفصل روایت مروی ہے۔ یہ روایت بڑی طویل و عریض ہے) اس میں مندرج ہے:

«فلما ندر ما الثقلان حتى قام رجل من المهاجرين فقال بأبي أنت و أمي ما الثقلان؟ فقال الأكبر منهما كتاب الله سبب طرفٌ بيد الله عزوجل وطرف بأيديكم فتمسكوا به لاتزلوا ولا تضلوا و الأصغر منهما عترتي لا تقتلوهم ولَا تَقْهَرُوهُمْ فاني سالت اللطيف الخبير ان يردوا على الحوض فأعطاني فقاهرهما وخاذلهما خاذلي و وليهما ولي وعدوهما عدوي» (كشف الغمه: 67/1 مع ترجمه المناقب طبع جديد، ايران)

اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب ثقلین کا بیان فرمایا تو ہم ثقلین کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ حتی کہ مہاجرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ اس نے عرض کیا: فداك أبي و أمي ثقلین کیا چیز ہے؟ تو جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں میں سے بڑی چیز تو اللہ کی کتاب ہے۔ اس کی ایک جانب اللہ کریم کے دست مبارک میں ہے دوسری تمھارے ہاتھوں میں ہے، پس اس سے تمسک کرو گے تو نہ پھسلو گے اور نہ گمراہ ہو گے۔ اور ان دونوں ثقیل چیزوں میں سے جو اصغر ہے، وہ اولاد نبی ہے۔ ان کو قتل نہ کرنا۔ ان پر قہر وتشدد نہ کرنا۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ یہ مجھے حوض پر ملیں تو یہ سوال منظور ہوا۔ ان پر قہر کرنا، ان کو رسوا و ذلیل کرنا گویا میرے ساتھ یہ معاملہ کرنا ہے۔ جو دونوں بھاری چیزوں کا دوست ہے۔ وہ ہمارا دوست ہے جو ان کا دشمن ہے، وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔''

اہل انصاف کی خدمت میں گزارش ہے کہ کشف الغمہ کی روایت ہذا میں کس صراحت کے ساتھ یہ مضمون موجود ہے کہ ثقلین میں سے کتاب اللہ کے ساتھ تمسک کرو گے۔ اس کو اخذ کرو گے تو تمھارا قدم نہ پھسلے گا اور نہ تم گمراہ ہو گے اور ثقلین میں سے جو اصغر ہے اس کو قتل نہ کرنا۔ ان پر سختی اور قہر نہ کرنا۔ جو ان سے یہ معاملہ کرے گا گویا اس نے ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا۔ ان کے ساتھ دوستی یا عداوت ہمارے ساتھ دوستی یا عداوت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ کتاب اللہ کے متعلق اخذ اور تمسک کرنے کا ارشاد ہوا ہے تا کہ گمراہی نہ آئے اور اہلِ بیت کے ساتھ حسن سلوک کا حکم صادر ہوا ہے۔ ان کی وجوب اطاعت کا حکم نہیں ہوا۔

ناظرین کرام غور وخوض فرما کر کشف الغمہ کی روایت مندرجہ بالا کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ جو اہلِ سنت علمائے کرام نے روایت ثقلین کا مفہوم بیان فرمایا ہے کیا اس کی پوری طرح تائید ہوتی ہے یا نہیں؟

تائید ثانی

دوستوں کے مشہور فاضل علی بن ابراہیم قمی اپنی مشہور تفسیر ''تفسیر قمی'' سورہ ال عمران کی آیت:106 ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ کے تحت ایک روایت لائے ہیں۔ اس روایت کو خمسۂ رأیات (پانچ جھنڈوں) والی روایت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ روایت بھی صاف بتلاتی ہے۔ روایت ثقلین کا جو مفہوم اہل السنۃ نے بیان کیا ہے وہی درست اور صحیح ہے۔ شیعہ حضرات جو مدعا اور مقصد اس روایت سے ثابت کرنے کے خواہاں ہیں وہ ہرگز درست نہیں ہے۔ ذیل میں پہلے روایت درج کی جاتی ہے اس کے بعد اس کا ترجمہ جو شیعہ دوستوں کے مشہور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے اپنے حواشی کے ضمیمہ جات میں لکھا ہے وہ بلفظہ پیش خدمت ہے۔ منصف طبائع انصاف خود فرما سکیں گے ہماری تشریحات کی حاجت نہ ہوگی:

«ثم ترد على رأية مع امام المتقين وسيد المسلمين و قائد الغر المحجلين ووصى رسول رب العالمين فأقول لهم ما فعلتم بالثقلين من بعدى؟ فيقولون اماالأكبر فاتبعناه وأطعناه فأما الأصغر

فأحببناه ووالیناه وازرناه و نصرناه حتی اهرقت فیهم دمائنا، فأقول ردوا الجنة روّاء مرویین مبیضة وجوهکم، ثم تلا رسول اللّٰه: ﴿یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ ''(حضور ﷺ نے فرمایا:) پھر پانچواں جھنڈا امام المتقین، سید الوصیین، قائد غرالمحجلین وصی رسول رب العالمین کا میرے پاس وارد ہوگا۔ میں ان سے دریافت کروں گا کہ تم میرے بعد ''ثقلین'' کے ساتھ کس طرح پیش آئے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ثقل اکبر کی ہم نے پیروی اور اطاعت کی اور ثقل اصغر سے ہم نے محبت وموالاۃ کی اور ان کو یہاں تک مدد دی کہ ان کی خاطر ہمارے خون تک بہا دیے گئے۔ پس ان سے میں کہوں گا کہ تم سیر وسیراب ہوکر سفید رو بن کر جنت میں چلے جاؤ۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے (مذکورہ بالا) آیتیں تلاوت فرمائیں۔''
(ضمیمہ، ص: 58 از مولوی مقبول احمد صاحب دھلوی)

قمی کی اس روایت نے مسئلہ صاف کر دیا کہ اطاعت اور تابعداری کا حکم ثقل اکبر (کتاب اللہ) کے لیے مخصوص ہے اور ثقل اصغر (اہل بیت) کے ساتھ محبت اور دوستی کرنے کا ارشاد تو ہے لیکن اس کی مستقل اطاعت اور وجوب التمسک کا حکم نہیں ہے۔

تائید ثالث

اب تیسری تائید میں ہم امام حسن رضی اللہ عنہ کی وہ روایت (ارشاد نبوی) نقل کرتے ہیں جو انھوں نے خود حضور علیہ السلام سے نقل فرمائی ہے اور ایک منکرین کی جماعت پر امام موصوف نے یہ بطور احتجاج پیش کی ہے۔ دوستوں کے مسلم مجتہد شیخ احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی نے اس کو اپنی تصنیف الاحتجاج، ص: 139 میں درج فرمایا ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«قال (سیدنا الامام الحسن رضی اللہ عنہ) انشدکم باللّٰه اتعلمون ان رسول اللّٰه ﷺ قال فی حجة الوداع: ایها الناس! انی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعده کتاب اللّٰه وعترتی، فاحلوا حلالهٗ وحرّموا حرامهٗ واعملوا بمحکمه وأمنوا بمتشابه وقولوا أمنا بما انزل اللّٰه من الکتاب واحبوا اهل بیتی وعترتی ووالوا من والاهم وانصروا علیٰ من عاداهم وانهما لن یزالا فیکم حتی یرداعلی الحوض یوم القیامة»
(احتجاج طبرسی، ص:139)

یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے مخاطبین کو قسم دے کر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں کہ اہل بیت کے ساتھ محبت رکھو اور جو شخص ان کے ساتھ دوستی رکھے اس کے ساتھ دوستی رکھو اور جو ان کے ساتھ دشمنی رکھے اس کا خلاف کرو اور یہ دونوں تم میں رہیں گے حتی کہ قیامت کے روز میرے پاس حوض پر پہنچیں۔''

اس فرمان میں بھی کتاب اللہ کے ساتھ عمل درآمد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اہل بیت کے متعلق موالاۃ اور دوستی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ لیکن ان کی وجوب اطاعت اور وجوب تمسک کا کوئی حکم صادر نہیں فرمایا گیا۔ تو ان تمام مندرجہ بالا روایات سے صاف معلوم ہوا کہ روایت ثقلین کا جو مفہوم جمہور اہل سنت علماء نے بیان کیا ہے۔ وہی درست ہے اور شیعہ حضرات کا مدعیٰ اس روایت سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ ثانی

شیعہ احباب ''روایت ثقلین'' کا جو کچھ مفہوم بیان کیا کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے:

① ''اہلِ بیت'' کتاب اللہ کی طرح واجب الاطاعت ہیں اور لازم التمسک ہیں۔ ''حجت شرعی'' ہونے کے لحاظ سے کتاب اللہ اور اہلِ بیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو شخص ان دونوں کے ساتھ تمسک کرے گا وہ ناجی ہوگا جو ان دونوں کے ساتھ تمسک نہ کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔

② نیز روایت ہٰذا میں اہلِ بیت سے مراد صرف بارہ امام ہیں جن کی تابعداری کرنا اور ان کے احکام پر عمل کرنا کتاب اللہ کی طرح لازم ہے۔

''روایت ثقلین'' کا اگر یہ مفہوم صحیح ہے جو ان دوستوں نے تجویز کیا ہے تو پھر قدرتی طور پر چند سوالات وارد ہوں گے جن کا تسلی بخش جواب پیش کرنا دوستوں کے لیے لازم ہے اور ان کے متعلق ان مہربانوں کو اپنی جگہ غور وفکر کرنا ضروری امر ہے۔

① پہلی یہ چیز قابلِ توجہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمان جاری فرمایا ہے۔ اس وقت روایت ہٰذا کے خطاب (انی تارك فیکم) میں خود ''اہل بیت نبی، وعترت رسول، وعم رسول'' مخاطب ہیں یا نہیں؟

اگر باقی مخاطبین کی طرح وہ بھی اس خطاب کے مخاطب ہیں اور یہ خطاب ان کو بھی شامل ہے؟ تو سب سے پہلے یہاں اتباع لنفسہ واطاعت لذاتہ کا مطلب قابل وضاحت

ہے۔ اس کو حل کرنا چاہیے؟ نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ:

① عم رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور

② عقیل برادر حضرت علی المرتضی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کر کے روایت ہذا کے فرمان کے خلاف کیسے عمل درآمد کر دیا؟

③ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آخر کار صدیق اکبر سے بیعت کر کے فرمان ہذا کو کیوں فراموش کر دیا۔

④ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور

⑤ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر کے اس فرمان رسالت کو کیوں متروک العمل ٹھہرا دیا۔

⑥ خود امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے برادر حقیقی امام معصوم امام حسن رضی اللہ عنہ کا اتباع نہ کر کے اس حدیث کا خلاف کیسے کر ڈالا؟ اور امیر معاویہ سے بیعت کر لی۔

⑦ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ محمد بن الحنیفہ نے امام برحق امام زین العابدین کی امامت تسلیم نہ کر کے اس حکم کو کیسے پسِ پشت ڈال دیا؟

⑧ اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حسن مثنیٰ نے اپنے دعویٰ امامت کے دوران میں امام برحق (زین العابدین) کی امامت کا عملاً انکار کر کے اس روایت ثقلین کو کیوں چھوڑ دیا؟

⑨ اسی طرح زین العابدین رضی اللہ عنہ نے حسن مثنیٰ کو امام نہ تسلیم کر کے اس ارشاد کی مخالفت کیوں کر ڈالی ہے؟ حالانکہ حسن مثنیٰ اولاد علی وعترت نبی، ونسل بتول ہے، جس کے اہلِ بیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

⑩ اور زین العابدین کے صاحبزادے امام زید نے اپنے وقت کے امام محمد باقر کی امامت کا انکار کر کے اس نبوی حکم کو عملاً کیوں فراموش کر دیا؟

⑪ اسی طرح جناب محمد باقر رحمہ اللہ نے اپنے برادر حقیقی امام زید کی امامت کو تسلیم نہ کر کے اس نبوی حکم کو کیوں عملاً چھوڑ دیا؟

⑫ اور محمد بن عبداللہ محض بن حسن المثنیٰ بن امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی امامت کا دعویٰ کر کے جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو امام تسلیم نہ کرتے ہوئے اس فرمانِ رسالت کو کیوں متروک العمل بنا دیا؟

⑬ اسی طرح امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے حسن مثنیٰ کی اولاد شریف (محمد بن عبداللہ محض) کی امامت نہیں تسلیم کی، حالانکہ یہ لوگ اولاد علی، عترت نبی ونسل بتول ہیں، ان کی اطاعت نہ کرنا نبوی فرمان کا خلاف کرنا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کا مقتضی ہے۔ جعفر صادق کا یہ خلاف کرنا کیسے جائز ہوا؟

⑭ ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن رضی اللہ عنہ نے امام وقت جعفر صادق کی امامت نہ تسلیم کر کے روایت ہذا (ثقلین) کی کیسے مخالفت کر دی۔

حاصل یہ ہے کہ ان چودہ عدد ''قرابت دارانِ رسول'' اور ''عترت رسول'' اور'' اہلِ بیت رسول'' ''اولاد علی'' ''وآل بتول'' نے ہی روایت ثقلین کے مجوزہ مفہوم کے ہمیشہ خلاف عمل درآمد کیا ہے اور انھوں نے اہلِ بیت و عترت کی اتباع کو لازم اور واجب نہیں قرار دیا بلکہ غیر اہلِ بیت کی اتباع کر ڈالی تو دوسری امت کو اس روایت پر عمل کی تلقین کرنا اور دعوت دینا کہاں تک صحیح اور درست ہے۔

ایک جملہ معترضہ

شیعہ دوستوں کی ایک کتاب ''مصباح الظلم'' ہے۔ نواب امداد صاحب، رئیس پٹنہ، اس کے مصنف ہیں۔ مجتہدین لکھنؤ کی تصحیح و نگرانی کے ساتھ رام پور میں نواب صاحب کے حکم سے طبع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں اس چیز کو طنز کے طور پر بڑا دہرایا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول (حسبنا کتاب اللہ جو روایت قرطاس میں وارد ہے) بڑی قوی تاثیر رکھتا تھا۔ یہ جملہ پولیٹیکل دماغ کی پیداوار تھی۔ اس قول نے حدیث ثقلین کو بیکار بنا دیا وغیرہ وغیرہ، چنانچہ اس کے بعد چند ایک حوالہ جات بلفظہ پیش کیے جاتے ہیں:

① نواب صاحب ''مصباح الظلم'' ص:10 پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ان تین چار لفظوں (حسبنا کتاب اللہ) نے ایک ایسی نئی اسلامی دنیا قائم کر دی ہے کہ آج تک بڑے زوروں کے ساتھ قائم ہے ہر چند حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بڑی تاکید سے خبر دیتا ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول بالا نے قول نبوی (ثقلین) پر امت کو عمل پیرا ہونے نہ دیا جس کے باعث ارشادِ نبوی ایک قولی حیثیت تک محدود رہ گیا ہے۔

② اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں:

''یہ حدیث نبوی ڈیڈ لیٹر، یعنی ایک ''مردہ قول'' کی طرح کتابوں میں حوالہ قلم پائی جاتی ہے اور اس سے زیادہ حیثیت کبھی اس کو حاصل نہیں رہی۔'' (مصباح الظلم، ص:10)

③ ''اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر بن

الخطاب کے قول (حسبنا کتاب اللہ) نے بڑی کامیابی حاصل کی اور اسی قول نے عملی طور پر حدیث ثقلین کو باطل کر ڈالا۔"

(مصباح الظلم، ص: 12)

④ امر واقعی یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب کی پولیٹیکل قابلیت اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان گو ایک بہت بڑے مدبر، ذہین اور فطین بزرگ تھے مگر حضرت عمر بن الخطاب کے پولیٹیکل دماغ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا کام تھا کہ صرف ایک مختصر قول (حسبنا کتاب اللّٰہ) سے جناب رسول اللہ ﷺ کی "حدیث ثقلین" کو بے اثر کر دیا۔ (مصباح الظلم، ص: 19)

نوٹ: یہ ہر چار حوالہ جات النجم لکھنو نمبر 11-12 جلد نمبر 7 ص: 67-68 المعروف الرابع من المائتین میں مفصل درج ہیں۔ تفصیلات کے لیے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب "مصباح الظلم" بیچارے صرف سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ذات پر یہ الزام ڈالنا چاہتے ہیں کہ ان کے قول حسبنا کتاب اللّٰہ کی وجہ سے روایت ثقلین پر عمل درآمد متروک ہو گیا ہے۔ اور صرف اس قول نے روایت ہذا کو ڈیڈ لیٹر بنا دیا ہے، حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف امر ہے۔ جناب پہلے آپ ہاشمی خاندان، آل ابی طالب، اہل بیت رسول، آلِ بتول، اولادِ علی، حضرات سے دریافت کیجیے کہ روایت ثقلین کا (بقول شیعہ جو مفہوم و مقتضی ہے) اس کے موافق انھوں نے کہاں تک عمل درآمد کیا ہے؟ کیا ان حضرات نے ہمیشہ اپنے اپنے دور میں وقت کے خلفاء کی بیعت کر کے روایت ہذا کو عملی طور پر بیکار اور بے اثر نہیں بنایا؟

انصاف یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول نے اس روایت کو مردہ قول نہیں بنا دیا بلکہ ان ہاشمی حضرات مذکورین نے اپنے عمل اور کردار سے اس روایت کو ڈیڈ لیٹر کی حیثیت دیدی ہے۔

بصورتِ دیگر

اگر روایت ہذا (تارك فيكم) کے خطاب میں خود اہل بیت و عترت و قرابت دارانِ رسول ﷺ مخاطب نہیں تو ان پر کس کی اتباع اور کس کی اطاعت فرض ہے؟

اگر کہا جائے کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ کی اتباع اور تابعداری ان پر واجب ہے تو معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کونسی روایت ہے کہ جس میں مخصوص اہلِ بیت و عترت نبوت کو خصوصی خطاب فرمایا گیا اور دیگر امت کو وہاں مخاطب نہیں بنایا گیا۔ برائے مہربانی ایسی روایت کی نشاندہی ہونی چاہیے۔

اگر کوئی صاحب اس باب میں یہ موقف اختیار کریں کہ کتاب اللہ (قرآن مجید) اہلِ بیت کے لیے کافی ہے۔ اس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی اطاعت اور تابعداری کے فرمان موجود ہیں تو ان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں تو سب مسلمانوں کو خطاب عام کے ساتھ کتاب و سنت کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں کسی مخصوص خاندان کے حق میں مخصوص حکم کا جاری ہونا مذکور نہیں ہے۔ فلہٰذا کسی ایسی روایت کو تلاش کرنا ہوگا۔ جس میں صرف خاندانِ نبوت کو ہی کتاب و سنت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہو۔

دوم

اس کے بعد یہ عرض ہے کہ ان دوستوں کے نزدیک روایت ہذا میں اہلِ بیت سے مراد صرف بارہ امام ہیں جن کا عدد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہو کر امام مہدی پر ختم ہوتا ہے۔

① اب پہلے یہ دریافت کرنا ناموزون نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ازواج مطہرات اہل بیت سے کیوں خارج ہیں؟ حالانکہ اہلِ بیت کا اطلاق ازروئے لغتِ عرب زوجہ پر بالکل صحیح ہے اور ازروئے قرآن مجید بھی اہلِ بیت کا اطلاق زوجہ پر بالکل درست ہے جیسے سورۃ ہود بارہواں پارہ میں ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے ذکر میں فرمایا گیا ہے: ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ یہاں قطعی طور پر فریقین کے ہاں حضرت ابراہیم کی بیوی کو اہل البیت کہا گیا ہے۔ اور پارہ بیسواں سورۃ قصص کے پہلے رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا قول مذکور ہے کہ: ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾ یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد عمران کی

انتقام...!

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: «مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ بِهَا» "رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کیا جاتا تو اس پر حد قائم کرتے۔" (صحیح البخاری: 3560)

بیوی کو اہلِ بیت سے تعبیر کیا گیا ہے اور فریقین کے نزدیک ٹھیک ہے۔

جب ازروئے لغت عرب اور قرآن مجید کے اطلاقات کے موافق ''ازواج مطہرات'' اہلِ بیت کے مفہوم میں داخل ہیں تو ان کو اہلِ بیت کے ''اصلی معنی'' اور ''حقیقی مصداق'' سے کیوں خارج کیا جائے۔

② دوسرا اشکال یہ در پیش ہوتا ہے کہ اگر اہلِ بیت سے مراد صرف بارہ امام لیے جاتے ہیں تو حضرت فاطمہ ؓ بھی اہلِ بیت سے خارج ہوتی ہیں، حالانکہ کون صاحب علم و دانش مسلمان ہے جو حضور کے اہلِ بیت سے آپ کی صاحبزادیوں کو بھی خارج قرار دے جب ''بیبیاں'' بھی اہلِ بیت سے خارج ہوں اور ''لڑکیاں'' بھی اہلِ بیت سے خارج ہوں تو کون اہلِ بیت رہ گیا؟ اور اگر داماد نبی اہل بیت میں شامل ہیں تو حضرت علی، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت ابو العاص بن ربیع ؓ تینوں اہلِ بیت میں واجب الاتباع ہوں گے۔

③ تیسری یہ گزارش ہے کہ اگر اہلِ بیت سے نبی کریم ﷺ کی اولاد مراد ہے جیسا کہ روایت ہذا کے بعض طریق میں عترتی کے الفاظ وارد ہیں تو اس لحاظ سے ثقل اول کتاب اللہ ہے اور ثقل ثانی حضور ؑ کی اولاد مبارک ہوئی پھر جتنی اولاد ہوئی اس روایت ثقلین کے مفہوم کے اعتبار سے تمام کی تمام واجب الاطاعت ہونی چاہیے۔ ایک قول کے تحت امام حسن ؓ کے آٹھ صاحبزادے ہیں اور امام حسین ؓ کے بالاتفاق چھ لڑکے اور باختلاف گیارہ کی تعداد ہے۔ پھر ہر ایک کی اولاد در اولاد تا اس دور تک شمار کر لی جائے۔ اسی طرح امام زین العابدین کی اولاد دس یا گیارہ صاحب زادے ہیں۔ پھر ان میں ہر ایک کی اولاد تا اس زمانہ تک لحاظ کر لی جائے۔ پھر امام محمد باقر کی اولاد پانچ عدد ہیں پھر ان کی اولاد در اولاد ہمیشہ کے لیے شمار کر لی جائے اور امام جعفر کے نو عدد بیٹے ہیں پھر ان کی اولاد تا زمانہ حال گن لی جائے۔ علی ہذا القیاس امام حسن عسکری ؓ کی اولاد تک اسی طرح تمام نسل در نسل کا حساب لگایا جائے یہ اولاد جو سیدہ خاتونِ جنت فاطمہ ؓ کے نسب شریف سے ہے۔ یہ سب عترت رسول اور آل بتول ہے۔ روایت ہذا کے مفہوم کے اعتبار سے بتمامہا واجب الاطاعت ٹھہرتی ہے۔

اگر عترت واجب التمسک اور واجب الاطاعت ہے تو سب کی سب ہے۔ اگر عترت کی تابعداری لازم نہیں ہے تو تمام کی نہیں ہے۔ اثنا عشر، یعنی بارہ عدد کی تخصیص و تعیین کے لیے کون سی نص قطعی موجود ہے؟؟ اگر اس تخصیص کی خاطر کوئی نص نہیں مل سکتی تو اہل بیت سے اثنا عشر مراد لینا سراسر سینہ زوری ہے اور ادعاء بلا دلیل ہے۔

| سوم |

روایت کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ کتاب اللہ اور اہلِ بیت دونوں لوگوں کے سامنے قیامت تک موجود رہیں گے تا کہ لوگ کتاب اللہ پر عمل درآمد کر کے اہلِ بیت سے محبت و ولایت رکھ کر حضور نبی کریم ﷺ کی وصیت کو پورا کر سکیں مگر شیعی مسلمات کے اعتبار سے یہ دونوں چیزیں لوگوں کے درمیان سے مدتوں سے غائب ہیں۔ قرآن مجید لے کر 269ھ میں امام صاحب ان کے گمان موافق غار سرمن رائے میں غائب ہو گئے ہیں۔ اب 1433ھ ہے مدۃ غیبہ کا حساب لگا لیا جائے۔ بنا بریں حالات اب پیغمبر کی تاکیدی نصیحت اور وصیت کو پورا کرنے کے لیے لوگوں کے ہاں کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا!

| چہارم |

ان دوستوں نے روایت ثقلین کا جو مطلب تجویز کیا ہے وہ اگر صحیح ہے تو اہل اسلام کے لیے واجب التمسک اور واجب الاتباع صرف دو چیزیں ٹھہرتی ہیں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اہلِ بیت اور ''سنت نبوی'' کا واجب الاتباع ہونا مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں رہتا، حالانکہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک ''کتاب و سنت'' کا حجت شرعی ہونا بداہۃً مسلّم ہے۔ نیز سنت نبوی کی ''حجیت'' سے انکار کرنا تو شیعی روایات کے اعتبار سے بھی درست نہیں، چنانچہ ہم شیعہ کی ان روایات کو، جو سنت نبوی کی مؤیدات میں وارد ہیں، جمع کر کے پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

| پنجم |

نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ ان دوستوں کے ہاں عترت و اہل بیت کا واجب الاتباع ہونا منصوص من اللہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ روایت ثقلین کی وجہ سے پھر روایت ہٰذا سے استدلال کرنا بیکار رہے گا۔



بے انصافی وہ بھی اپنوں کے ساتھ

حافظ عبدالوحید سوہدروی

بسم اللہ والصلوۃ والسلام علیٰ رسول اللہ۔ اما بعد

اسلام میں عدل وانصاف کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور ہر شخص سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ انصاف کا دامن اس کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹے۔ ہم لوگ انصاف کے حصول کا ذریعہ صرف عدالتوں کو سمجھتے ہیں۔ وہ تو فریقین میں تنازع کے وقت انصاف کرنے کی ذمہ دار ہیں جبکہ ہر فرد کو اپنی روز مرہ کی زندگی میں بار ہا انصاف کے مواقع سے واسطہ پڑتا ہے۔ آپ گھر میں ہوں، باہر ہوں، کاروبار میں ہوں یا کسی بھی موقع پر آپ کو عدل کے امتحان سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔ عدل وانصاف ایک ایسی صفت ہے جس کی ہر معاشرہ میں قدر کی جاتی ہے۔ کسی معاشرہ میں عدل کا فقدان ظلم کا راستہ ہموار کرتا ہے۔

عدل وانصاف کی صفت کسی کے اوپر آسمان سے نہیں ٹپکتی۔ ہر انسان اچھی اور بری صفات کا منبع ہوتا ہے، یعنی ہمارے اندر اللہ پاک نے خوبیاں بھی رکھی ہیں اور خامیاں بھی۔ خوبیوں کی افزائش کرنا اور خامیوں سے چھٹکارہ پانا اب ہمارا کام ہے۔ بالکل ایک کھیت یا باغ کی طرح جس سے اچھی پیداوار حاصل کرنے کے لیے غیر مطلوبہ جڑی بوٹیوں کی صفائی ضروری ہوتی ہے۔ انسان کے اندر بھی غیر مطلوبہ جڑی بوٹیوں کی بھرمار ہے جن سے اکثر انسان غافل ہیں۔ آخر کار اس کا نتیجہ معاشرے میں بدامنی اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ ''لوگوں کی کرتوتوں کے سبب بر و بحر میں فساد پھیل گیا۔'' (الروم 41:30)

کسی بھی فرد میں بے انصافی کا پایا جانا اس کی تربیت و شخصیت سازی میں کوتاہی کی علامت ہے۔ ایک انسان کی شخصیت سازی بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی اس کے لیے تعلیم اور خوراک کی اہمیت ہوتی ہے۔ ورنہ اس کے بغیر دولت مند افراد یا اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی ڈنگر کے ڈنگر رہتے ہیں۔ اس شخصیت سازی کا عمل نسل در نسل آگے بڑھتا ہے جس کے نتیجے میں بعض خاندانوں کی شہرت اچھی ہو جاتی ہے۔

شخصیت سازی کے اثرات

واضح رہے کہ کسی شخص کی اچھی یا بری شخصیت اپنے گردو پیش کو ضرور متاثر کرتی ہے۔ پھر اس کے اثرات کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہوگا جتنا اس کا حلقۂ اثر وسیع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی ملک کے صدر یا وزیر اعظم کو لے لیجیے۔ ان کا حلقۂ اثر پورے ملک پر محیط ہوتا ہے جہاں ان کا ہر قول وفعل ان کی شخصیت کا مظہر بنتا ہے۔ جس نہج پر ان کی تربیت اور شخصیت سازی ہوئی ہوتی ہے اس کے نتیجے میں یا تو پورا ملک اس سے متمتع ہوتا ہے یا تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا نہیں معلوم کہ کس شخص کی تربیت میں غفلت پورے ملک کو متاثر کر کے رکھ دے گی۔

ذمہ داری کس کی؟

جب تک بچے جوان نہیں ہوتے ان کی شخصیت سازی کی ذمہ داری والدین یا قریبی عزیزوں پر ہوتی ہے، البتہ جوانی کے بعد ہر شخص اپنی شخصیت کو صحیح رخ پر پروان چڑھانے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اسے ایک رہنما کتابچے (Manual) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور کسی چیز کا بہترین مینوَل اس کا بنانے والا ہی تیار کر سکتا ہے۔ انسان کا بنانے



والا اللہ ہے۔ جو ہر زمانے میں بذریعہ انبیاء انسانوں کو مینووَل عطا کرتا آ رہا ہے۔ چنانچہ ہمیں عطا کردہ مینووَل قرآن ہے۔ اب اس سے جو کوئی استفادہ کر کے اپنی شخصیت سازی کے لیے راہنمائی حاصل کرے گا فائدے میں رہے گا ورنہ دونوں جہانوں میں خسارہ اس کا مقدر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

اسی مینووَل میں ہمیں کہا گیا ہے کہ طبیعت میں انصاف پیدا کرو۔ اللہ کی خاطر معاشرے میں اسے قائم کرنے کی کوشش کرو۔ انصاف کی اس حد تک پاسداری کرو کہ اگر اس کی زد میں تمھارا اپنا مفاد تمھارے والدین، عزیز و اقارب، امیر یا غریب کوئی بھی آ رہا ہے تو کسی کی پروا نہ کرو۔ انصاف کی عملداری یقینی بناؤ حتی کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کرو۔ اس کے ساتھ دشمنی تمھارے انصاف میں آڑے نہ آئے۔ مگر ہم انصاف کی دھجیاں کس طرح بکھیرتے ہیں۔ نمونے کے طور پر صرف ایک گھریلو مسئلے کو لیتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے والدین کو ہدایت فرمائی ہے: «اِعْدِلُوا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ» ''اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرو۔'' (صحيح البخاري، قبل الحديث: 2586) مگر بہت سارے والدین اس میں ناکام نظر آتے ہیں۔ وجوہات کچھ بھی ہوں۔ لیکن ایک فطرتی وجہ یہ بھی ہے کہ والدین کی توجہ زیادہ تر ناتواں اور چھوٹی اولاد کی طرف ہوتی ہے۔ جس کی نزاکت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب چھوٹی بڑی اولاد میں سوتیلا پن آ جائے۔ والد کو جب مجبوراً دوسری شادی کرنی پڑتی ہے تو چھوٹے بچوں کی طرف ماں کی فطری توجہ باپ کے لیے بھی ادھر جھکاؤ کا سبب بن جاتی ہے۔ انصاف تو اس وقت دونوں کو پوری اولاد کے ساتھ کرنا چاہیے۔ مگر عورت میں اپنی اولاد سے محبت والی قدرتی کمزوری غالب آ جاتی ہے جو باپ کے لیے بھی عدمِ انصاف کا باعث بن جاتی ہے۔

خوش قسمت ہوگا وہ باپ جو ایسے حالات میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ مگر ان کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ ان حالات میں بسا اوقات باپ کے انصاف کرنے کے باوجود بڑی اولاد اسے بے انصافی کے طعنے سے نواز دیتی ہے۔ جس سے نیک لوگ بھی نہیں بچ سکے۔ اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام پر کسے شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے درمیان انصاف نہ کرتے ہوں گے۔ پھر بھی یوسف علیہ السلام کے بڑے بھائیوں نے باپ پر یہی الزام دھر کر کہ وہ یوسف کو ہم سے زیادہ چاہتے ہیں، یوسف کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی اور اتنی گھناؤنی چال چلی کہ باپ بیٹے میں ایک لمبے عرصے تک جدائی پڑ گئی۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو اولاد میں انصاف کی پوری کوشش کرنے کے باوجود موردِ الزام ٹھہرے تو وہ عنداللہ بریٔ الذمہ ہوگا (ان شاء اللہ)۔ پکڑا وہ جائے گا جو انصاف کرنے کی کوشش ہی نہ کرے۔

تصویر کا دوسرا رخ

اب باپ کو عدمِ انصاف کا طعنہ دینے والی اولاد کا حال دیکھیے۔ باپ کی وفات کے بعد یہی سوتیلی بڑی اولاد اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ عموماً جو سلوک کرتی ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے گردو پیش سیکڑوں مثالیں پالیں گے۔ باپ کو بے انصافی کا طعنہ دینے والے اب خود بے انصافی پر تل جاتے ہیں۔ مال غصب کرنے میں سوتیلی اولاد کیا اپنے سگے بہن بھائیوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا، حالانکہ اللہ کا اعلان بڑا صاف ہے: ''جو لوگ ظلم (بے انصافی) سے یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں تو وہ درحقیقت اپنے پیٹوں کو آگ سے بھر رہے ہوتے ہیں۔'' (النسآء 4:10)

یتیموں کا مال ہڑپ کرنے میں تو لوگوں نے حد ہی کر دی ہے۔ مال کی محبت میں ان کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ ان کو اپنا نفع اور نقصان بھی نظر نہیں آتا۔ جسے وہ نفع سمجھتے ہیں دراصل وہ ان کا نقصان ہے۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو متنبہ فرماتے ہیں: ''ایسے لوگوں کی طرح مت بنو جنھوں نے اللہ کو، یعنی اس کے احکامات کو بھلا دیا تو بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا آپ (یعنی اپنا نفع ونقصان) بھلا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔'' (الحشر 59: 19)

کتنا ہی خوفناک ہے یہ مقام جب آدمی کی کھوپڑی الٹی کر دی جاتی ہے۔ جسے وہ شہد سمجھتا ہے وہ زہر ہوتا ہے۔ انصاف کو بے انصافی اور بے انصافی کو انصاف سمجھنے لگ جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال انسان کی اپنی کرتوتوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔

اے بیوقوف انسان! تو نے کبھی سوچا ہے کہ غیروں کا مال جو ہڑپ کرتا ہے وہ تیرے

کام تو آئے گا نہیں۔ زمین تو نے اپنے نام لگوالی۔ مکان پر تو نے قبضہ کر لیا۔ ان میں سے کون سی چیز تو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ تیرے باپ دادا اور پڑ دادا کے نام بھی زمین لگی ہوئی ہو گی۔ ان کے قبضہ میں مکان بھی تھا، خود وہ آگے چل بسے۔ اس وقت ان کی ملکیت میں جو تھا وہ سب کچھ ادھر رہ گیا جس پر آج دوسروں کا قبضہ ہے۔ یہی زمین پچھلی صدی میں کسی اور کے نام لگی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کسی اور کے نام، ہر زمانے میں کسی نہ کسی کو اس کی ملکیت کا دعویٰ تھا۔ زمین ادھر کی ادھر ہے۔ صرف کاغذات کے ذریعے دھوکا کھا کر اپنے آپ کو مالکان سمجھنے والے اسی زمین کے اندر دفن ہو چکے ہیں۔ اسی طرح کل کو تو بھی چل بسے گا اور پٹوار خانے میں تیرا نام ہٹا کر کسی اور کا بحیثیت مالک درج کر دیا جائے گا۔ آج تیری اولاد سہی کل کو کوئی اور ہو گا۔ تو یہ ہے حقیقت تمھاری اس جائیداد کی جس کی خاطر تم بے انصافیاں کرتے ہو۔ اولاد کی خاطر اپنے بہن بھائیوں کو لوٹ کر جائیداد کا ذخیرہ کرتے ہو یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ ان کے کام آئے گی۔ مگر جب ان کی باری آئے گی تو ہو سکتا ہے وہ جائیداد کے مردار پر کتوں کی طرح جھپٹ پڑیں۔ اور آپس میں اسی طرح لڑیں مریں جیسے تم اپنے بہن بھائیوں سے لڑتے مرتے ہو۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے : «اَلدُّنيَا جِيفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَاب» ”دنیا مردار ہے اور اس کا طلبگار کتا ہے۔“ (فيض القدير شرح الجامع الصغير: 103) اگر تم کلمہ پڑھتے ہو تو اپنے نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی سامنے رکھو:

”جس نے ایک بالشت کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا تو قیامت کے روز ساتوں زمینوں تک کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔“
(صحيح البخاري: 3198)

ترقی کا راز

یہ مشاہدے کی بات ہے کہ جائیداد کے معاملے میں محروم کیے جانے والے بہن بھائی وقت گزرنے پر اکثر اوقات ترقی کے میدان میں محروم کرنے والوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ آج یتیم ہو جانے کی وجہ سے جو کمزور ہوتے ہیں کل کو وہ صبر و استقامت اور محنت کی بدولت خدا کی مدد سے حسنِ معیشت میں آگے نکل جاتے ہیں، جس کی بہترین مثال ہمارے نبی اکرم ﷺ ہیں۔ یتیم تھے، کمزور تھے، کوئی بہن بھائی نہ تھا۔ پھر اللہ نے ایسا رنگ لگایا کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ (احادیث میں آتا ہے کہ مکہ میں نبی ﷺ کی جو زمین تھی آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے بیٹے عقیل نے سب فروخت کر دی تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ مکہ میں اپنے گھر میں قیام کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہی نہیں ہے جس میں ہم قیام کر سکیں۔“ (صحيح مسلم: 1351)) یقیناً جو نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا کر ایسے حالات میں صبر کرتا ہے تو وہ اس دنیا میں ضرور پھل پاتا ہے۔

اے مسلمانو! بے انصافی کرنا چھوڑ دو۔ جو کر چکے ہو اس کی معافی مانگو۔ اور معافی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کا مال و جائیداد ناحق ہضم کر چکے ہو اسے واپس لوٹا دو۔ اگر وہ فوت ہو چکے ہیں تو ان کے ورثاء کو پلٹا دو۔ اگر وہ بھی نامعلوم ہو چکے ہیں تو اصل مالکان کے حق میں صدقہ کر دو۔ ورنہ اللہ سے صرف زبانی کلامی معافی مانگنی کام نہیں آئے گی۔ اس قسم کی معافی سے صرف اپنے آپ کو دھوکا دو گے۔ اللہ تمھاری چال میں نہیں آئے گا۔ اگر تمھیں زندگی دراز ہونے پر کچھ مہلت مل ہی گئی ہے تو مرنے سے پہلے اپنے معاملات لوگوں کے ساتھ درست کر لو۔ اپنی نمازیں بچا لو، روزے محفوظ کر لو، کیے ہوئے حج اور عمرے لوگوں کے کھاتے میں جانے سے بچا لو۔ ورنہ قیامت کے روز دیوالیہ ہو جاؤ گے۔ اور سارے نیک اعمال ضبط کر لیے جائیں گے۔ نبی پاک ﷺ کی ایک حدیث ملاحظہ ہو:

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک مرتبہ دریافت فرمایا: ”جانتے ہو کنگال شخص کون ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: جس کے پاس مال و دولت نہ ہو اور نہتا ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، بلکہ میری امت کا کنگال وہ شخص ہے جو قیامت کے روز نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر نیک اعمال کے ساتھ آئے گا جبکہ کسی کو گالی دی ہو گی، کسی کو پیٹا ہو گا، کسی کی آبرو ریزی کی ہو گی (وغیرہ وغیرہ)۔ یہ سب لوگ مدعی بن کر اس کے سارے نیک اعمال لیتے جائیں گے۔ پھر نیک اعمال ختم ہو جانے کے بعد حساب چکانے کے لیے دوسروں کے برے اعمال اس کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں

گے۔ اس طرح یہ شخص واصل جہنم ہو جائے گا۔'' (صحیح مسلم: 2581) کہاں گئیں تمھاری نمازیں، روزے، حج و زکوٰۃ اور دیگر نیک اعمال؟ اسے کہتے ہیں:

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

سوتیلی ماں کو نصیحت

سوتیلے پن کا ذکر ہوا تو سوتیلی والدہ سے بھی ایک گزارش کر دی جائے۔ تجھے اپنے رشتہ کی نزاکت کا احساس کرنا چاہیے۔ یہ رشتہ تو پہلے ہی بدنام ہے۔ بڑی اولاد کے ساتھ تمھاری معمولی سی بے انصافی رنگ لائے بغیر نہ رہ سکے گی۔ ذرا سوچو! باپ کی موجودگی میں اگر تو نے ان کو اپنا دشمن کر لیا تو اس کے مرنے کے بعد وہ تیرے بچن کیسے ہو سکتے ہیں۔ بہت سی سوتیلی ماؤں کو باپ کے مرنے کے بعد بڑی اولاد کے رحم و کرم پر دیکھا گیا ہے۔ لہٰذا ان آنے والے دنوں کو ذہن میں رکھو اور دوسروں سے عبرت پکڑو۔ اس زندگی میں تو حق ناحق کا فیصلہ ہونے سے رہا۔ لیکن آخرت میں اپنی بے انصافی کے وبال سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔ جبکہ قیامت کا واقع ہونا ہی انصاف کی خاطر ہے۔ اگر تمھارے انصاف کے باوجود تم پر بے انصافی یا طرفداری کا الزام لگے تو صبر کرتی جاؤ۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے: ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ''صبر کرنے والوں ہی کو بے حساب اجر سے نوازا جائے گا۔'' (الزمر 10:39)

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر معاملے میں انصاف برتنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

نحمده و نصلّی علی رسوله الکریم

اما بعد!

آج کا دور انتہائی پرفتن ہے۔ یقیناً یہ وہی دور ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ ضرور آئے گا جس میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو، اور اگر کسی نے نہ کھایا ہوگا تو اس کا غبار اس تک ضرور پہنچا ہوگا۔''
(سنن أبي داود:3331)



اللہ تعالیٰ ہم سب کو سودی معاملات اور ان کی گرد و غبار سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین

واضح رہے آج کل دنیا میں سود کی دو صورتیں متعارف ہیں: ① مہاجنی سود، جو کسی وقتی اور شخصی ضرورت کے واسطے لیے ہوئے قرض پر لیا جائے۔ ② تجارتی سود، جو کسی نفع آور کام کے واسطے لیے ہوئے قرض پر لیا جائے۔

قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماعِ امت سود کی ہر قسم اور ہر شعبے کو سخت ترین حرام قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سود کی تعریف معلوم کی جائے کہ سود کسے کہتے ہیں۔

ربا کے لغوی اور اصطلاحی معنی

ابن عربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«اَلرِّبَا فِي اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ وَالْمُرَادُ فِي الْآيَةِ كُلُّ زِيَادَةٍ لَا يُقَابِلُهَا عِوَضٌ»

''ربا لغت میں زیادتی اور بڑھوتری کو کہتے ہیں۔ (اصطلاح شریعت میں) ایسی زیادتی کو ''ربا'' کہتے ہیں جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے حاصل کی جائے۔'' اس میں وہ زیادتی بھی داخل ہے جو روپیہ کو اُدھار دینے پر حاصل ہوتی ہے کیونکہ مال کے معاوضے میں تو رأس المال پورا

مل جاتا ہے جو زیادتی بنام ''سود'' یا ''انٹرسٹ'' لی جاتی ہے۔ وہ بے معاوضہ ہے اور بیع وشراء کی وہ صورتیں بھی اس میں داخل ہیں جن میں کوئی زیادتی بلا معاوضہ حاصل کی جائے۔

سود کی اقسام پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے قبل ہم سود کی حرمت پر کتاب وسنت سے دلائل پیش کرتے ہیں:

①ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''جو لوگ سود کھاتے ہیں، اُن کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام، جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لیے وہ ہے جو گزرا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس حکم کے بعد پھر ایسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔''
(البقرۃ 2:275)

②﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِى الصَّدَقٰتِ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ﴾ ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقے کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔''(البقرۃ 2: 276)

③، ④ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کا، اور اگر توبہ کر لو تو تمھارے اموال مل جائیں گے، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی دوسرا تم پر ظلم کرنے پائے گا۔''
(البقرۃ 2:278-279)

⑤ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تمھیں نجات ملے۔''
(آل عمران 3:130)

⑥ ﴿وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ ''تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ اور جو کچھ صدقہ، زکاۃ تم اللہ کے چہرے کی طلب (خوشنودی) کے لیے دو تو ایسے لوگ ہی ہیں اپنا مال دو چند کرنے والے۔''(الروم 30:39)



سود کے متعلق احادیثِ مبارکہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَكِلَ الرِّبَا وَ مُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ» ''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود دینے والے اور سودی تحریر یا حساب لکھنے والے اور سودی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ) میں برابر ہیں۔''
(صحیح مسلم: 1598)

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: «مَامِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّبَا إِلَّا أُخِذُوا بِالسَّنَةِ، وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّشَا إِلَّا أُخِذُوا بِالرُّعْبِ» ''جس قوم میں سود پھیل جائے وہ یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ مرعوبیت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔''(مسند أحمد: 4/205)

③ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: «بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ يَظْهَرُ الرِّبَا وَالزِّنَا وَالْخَمْرُ» ''قیامت کے قریب سود، زنا اور

شراب کی کثرت ہو جائے گی۔"
(المعجم الأوسط للطبراني:349/7)

④ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "معراج کی رات جب ساتویں آسمان پر پہنچ کر میں نے اوپر نظر اٹھائی تو میں نے چمک، کڑک اور گرج دیکھی۔" پھر فرمایا: "میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے، ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آ رہے تھے، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ سود خور ہیں۔"
(مسند أحمد:363/2)

⑤ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سات ایسی چیزوں سے بچو جو ہلاک کرنے والی ہیں۔" صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ سات چیزیں کون سی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو کرنا، ایسی جان کو ناحق مار ڈالنا جس کا مارنا اللہ نے حرام کر رکھا ہے، سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور جنگ کے روز پیٹھ دکھا کر بھاگنا، اور بھولی بھالی پاکدامن مسلمان عورتوں پر تہمت لگانا۔"
(صحيح البخاري:2766)

⑥ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سود کے (وبال) تہتر قسم کے ہیں، سب سے ادنیٰ قسم ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔"
(المستدرك للحاكم:43/20)

⑦ سیدنا سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور مجھ کو مقدس سرزمین کی طرف لے چلے، یہاں تک کہ ہم ایک خون کی نہر پر پہنچے، جس کے درمیان ایک شخص کھڑا تھا اور نہر کے کنارے پر ایک اور شخص کھڑا ہے جس کے سامنے پتھر پڑے ہیں۔ نہر کے اندر والا شخص نہر کے کنارے کی طرف آتا ہے، جس وقت نکلنا چاہتا ہے کنارے والا شخص اس کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پھر کر اپنی جگہ جا پہنچتا ہے، پھر جب بھی نکلنا چاہتا ہے اسی طرح اس کے منہ پر پتھر مار مار کر اس کو اپنی جگہ لوٹا دیتا ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کون شخص تھا جس کو میں نے نہر میں دیکھا؟ بتلایا گیا: سود خور۔"
(صحيح البخاري: 2085)

سود انتہائی خطرناک جرم ہے۔ اس سے بچنا ہر مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے ہوئے اپنے پیٹ کو سانپوں سے بھر لیں اور دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت تباہ کر لیں۔

آیئے! اپنے کاروبار کا جائزہ لیں، کہیں اس میں سود کی آمیزش نہ ہو۔ اگر خدانخواستہ اس میں سود کی آمیزش ہے تو آج ہی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی جائے اور جتنی جلدی ممکن ہو اس کا متبادل حلال اور شکوک و شبہات سے پاک، صاف ستھرا کاروبار شروع کیا جائے۔

یاد رکھیے، حلال کاروبار شروع کرنا ہمارا کام ہے اس میں برکت، نفع ڈالنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور ہر آدمی کو اس کا نصیب ضرور ملتا ہے۔ اب اپنی مرضی ہے اپنے نصیب کو حلال ذرائع سے حاصل کیا جائے یا حرام ذرائع سے۔

اے اللہ! ہم سب کو رزق حلال وافر نصیب فرما، دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا فرما اور صراطِ مستقیم پر چلا اور ہمارا خاتمہ حالتِ ایمان پر فرمانا، آمین یارب العالمین۔

جرأتمندانہ جواب

حجاج بن یوسف ثقفی، ام علقمہ نامی ایک خاتون سے تقریباً گھنٹہ بھر گفتگو کرتا رہا۔ دورانِ گفتگو اس خاتون نے لمحہ برابر بھی حجاج کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا۔

حجاج نے خاتون سے کہا: میں تمھارے ساتھ گھنٹہ بھر سے باتیں کر رہا ہوں لیکن تم نے ایک مرتبہ بھی میری طرف نگاہ اٹھا کر بات نہیں کی۔

اس خاتون نے برجستہ کہا: میں اس شخص کی طرف نگاہ اٹھانا پسند نہیں کرتی جس کی طرف اللہ کی نظر (رحمت) نہیں اٹھتی۔

(ماخوذ: سنہری کرنیں، عبدالمالك مجاهد)

تعلیم سنت میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کا کردار

طارق جاوید عارفی، ریسرچ فیلو دارالسلام

رسولِ کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات ہماری مائیں ہیں۔ یہ عام عورتیں نہیں ہیں بلکہ کائنات کی سب سے بہتر اور چنیدہ خواتین ہیں جنھیں اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کی زوجیت کے لیے پسند کیا ہے۔ یہ خواتین جہاں خانگی معاملات میں آپ ﷺ کی معاون تھیں، وہاں دینی و دعوتی امور میں بھی آپ کی دستِ راست تھیں۔ آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات و سنن کا بغور مشاہدہ کرنا اور حرزِ جاں بنانا انھیں عزیز از جان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کی بے شمار سنن ہمیں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ذریعے سے معلوم ہوئیں۔ اس حوالے سے ہم ان کے ممنون و مشکور ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنن سے روشناس کرانے کا سبب بنیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی واحد کنواری بیوی تھیں۔ کمال درجے کی ذہین اور فطین تھیں۔ بلا کا حافظہ تھا ان کا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنن کی ترویج و اشاعت کا جس قدر اہتمام ان کی سیرت میں دکھائی دیتا ہے کم ہی کسی اور کی زندگی میں ایسا اہتمام نظر آتا ہے۔ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس معاملے میں ان کے خوشہ چین دکھائی دیتے ہیں۔ نہ صرف مدینہ منورہ بلکہ عالمِ اسلام کے اطراف و اکناف سے لوگ تعلیمِ سنن کے لیے ان کے ہاں حاضری دیتے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو ان کی خدمت میں حاضر ہونے سے قاصر تھے۔ وہ خط کتابت کے ذریعے سے اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ اس طرح روزانہ متعدد خطوط انھیں موصول ہوتے تھے جس کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو باقاعدہ ایک کاتبہ کا اہتمام کرنا پڑا۔ اس کا اندازہ عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے لگائیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہتی تھی۔ ان کے ہاں ہر شہر سے لوگ آیا کرتے تھے (جو ان سے سوالات کرتے)۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے قرب کی وجہ سے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے اور نوجوان طلبہ میرے ساتھ بہنوں جیسا برتاؤ کرتے اور (میرے ذریعے سے سیدہ

عائشہ ؓ کی خدمت میں) ہدیے پیش کرتے۔ بہت سے لوگ مختلف شہروں سے مجھے خطوط بھی ارسال کرتے۔ میں سیدہ عائشہ ؓ کی خدمت میں عرض کرتی: خالہ جان! یہ فلاں شخص کا خط اور تحفہ ہے۔ سیدہ عائشہ ؓ مجھ سے فرماتیں: ''بٹیا! اسے جواب دو اور ساتھ ہدیہ بھی ارسال کرو۔ اگر تمھارے پاس ہدیہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو مجھے بتا دینا، میں دے دوں گی۔'' پھر وہ مجھے دے دیتیں اور میں خط کے ساتھ اسے روانہ کر دیتی۔

(الأدب المفرد، حدیث: 1118)

اس واقعے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ تعلیم سنن اور ان کی ترویج و اشاعت میں سیدہ عائشہ ؓ کا کردار بے مثال تھا۔ ان کا ایک بڑا وصف یہ بھی تھا کہ جہاں وہ خلاف سنت کام دیکھتیں، فوراً اس پر نقد کرتیں اور صحیح سنت کو بیان کرتیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

سیدہ دقرہ ؒ بیان کرتی ہیں کہ میں سیدہ عائشہ ؓ کے ہمراہ صفا اور مروہ کے مابین سعی کر رہی تھی۔ میں نے ایک عورت کے اوپر صلیب والی چادر دیکھی تو سیدہ عائشہ ؓ نے اس کو حکم دیا: ''اس کو اپنے کپڑے سے اتار دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کپڑے میں صلیب دیکھتے تو اس کو کاٹ دیتے تھے۔''

(مسند أحمد: 225/6)

ابن ابی عتیق ؒ بیان کرتے ہیں کہ میں اور قاسم بن محمد سیدہ عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے روبرو گفتگو کی۔ قاسم اپنی گفتگو میں بہت زیادہ لغوی غلطیاں کرتا تھا۔ اس کی ماں (اصل میں) ایک لونڈی تھی۔ سیدہ عائشہ ؓ اس سے فرمانے لگیں: ''تم میرے اس بھتیجے کی طرح گفتگو کیوں نہیں کرتے۔ مجھے تمھاری اصل کا خوب علم ہے۔ اس کی تربیت اس کی ماں نے کی ہے اور تمھاری تربیت تمھاری ماں نے کی ہے۔'' سیدہ عائشہ ؓ کی ان باتوں سے قاسم بہت غضبناک اور ناراض ہوا۔ سیدہ عائشہ ؓ نے ان کے کھانے کے لیے دسترخوان لگوایا تو قاسم کھڑا ہو گیا۔ سیدہ عائشہ ؓ نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگا: نماز پڑھنے لگا ہوں۔ سیدہ عائشہ ؓ نے کہا: بیٹھ جاؤ۔ وہ پھر کہنے لگا: بلاشبہ میں نماز پڑھنے لگا ہوں۔ اس پر سیدہ عائشہ ؓ فرمانے لگیں: اے بے وفا! بیٹھ جاؤ! بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''کھانا حاضر ہو جانے پر نماز نہیں ہوتی اور نہ اس حالت میں نماز ہوتی ہے جب بول و براز (کی حاجت) اس کو تنگ کر رہی ہو۔''

(صحیح مسلم، حدیث: 560)

سعد بن ہشام ؒ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ام المومنین! میں عورتوں سے (بغرض جہاد) علیحدہ رہنا چاہتا ہوں۔ شادی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ فرمانے لگیں: ایسا نہ کرو، کیا تم نے یہ آیتِ کریمہ نہیں پڑھی: ''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی ذات میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔'' (الأحزاب 33: 21) بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے شادیاں بھی کیں اور آپ کے ہاں اولاد بھی ہوئی۔'' (مسند أحمد: 112/6)

شادی کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اس لیے سیدہ عائشہ ؓ نے سعد بن ہشام کو اس سنت سے اعراض کی اجازت نہ دی بلکہ انھیں سنت اپنانے کی ترغیب دی اور قرآن مجید سے اس کی دلیل ذکر کی۔

سیدہ عائشہ ؓ کی سیرت طیبہ سے ایسی سیکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ مختصر مضمون اس طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا، لہٰذا انھی امثلہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سیدہ ام سلمہ ؓ امہات المومنین میں سیدہ عائشہ ؓ کے بعد سب سے زیادہ احادیث بیان کرنے والی خاتون ہیں۔ وہ بڑی سمجھ دار، معاملہ فہم اور زیرک خاتون تھیں۔ سنن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تحفیظ گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ بڑے بڑے صحابہ کرام ؓ تعلیم سنن کے لیے ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے جس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ حضرت کریب کہتے ہیں کہ ابن عباس، مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن ازہر ؓ نے مجھے سیدہ عائشہ ؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ انھیں ہماری طرف سے سلام کہنا اور عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں سوال کرنا اور یہ بھی کہنا ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ یہ دو رکعتیں پڑھتی ہیں۔ جبکہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں سے منع فرمایا ہے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر ؓ کے ساتھ مل کر ان دو رکعتوں کے پڑھنے کی وجہ سے لوگوں کو مارا کرتا تھا۔ کریب کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ساری باتیں ان سے عرض کیں۔ انھوں نے کہا: جاؤ اور سیدہ ام سلمہ ؓ سے اس

بارے میں دریافت کرو۔ میں نے جا کر اپنے ساتھیوں کو سیدہ عائشہ ؓ کے جواب سے آگاہ کیا تو انھوں نے مجھے سیدہ ام سلمہ ؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ سیدہ ام سلمہ ؓ کہنے لگیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے ہیں، پھر میں نے عصر کے بعد آپ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ میرے ہاں تشریف لائے تو اس وقت چند انصاری عورتیں میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں جن کا تعلق بنو حرام سے تھا۔ میں نے ایک باندی کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہا: آپ ﷺ کے ایک طرف جا کر کھڑی ہو جانا اور کہنا: یا رسول اللہ ﷺ! ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے آپ کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے ہوئے سنا اور اب آپ کو یہ دو رکعتیں ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ آپ ﷺ ہاتھ سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہٹ جانا۔ باندی نے اسی طرح کیا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر جب آپ تشریف لائے تو فرمایا: ''ابوامیہ کی بیٹی! تو نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا تھا، میرے پاس بنوعبدالقیس کے لوگ آئے تھے اور انھوں نے مجھے ظہر کے بعد دو رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا، پس یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔'' (صحیح البخاری: 1233، و صحیح مسلم: 834)

اس سے اندازہ کیجیے کہ سیدہ ام سلمہ ؓ کس گہرائی سے رسول اللہ ﷺ کی سنن کا مشاہدہ کرتی تھیں پھر کس قدر پختگی سے انھوں نے اسے محفوظ رکھا اور آگے لوگوں تک پہنچایا۔

سیدہ عائشہ ؓ کی طرح سیدہ ام سلمہ ؓ بھی اپنے ماحول پر نظر رکھتیں اور جہاں کہیں خلاف سنت کوئی معمول دیکھتیں تو سنتِ رسول کی روشنی میں اس کی اصلاح فرماتیں۔ ابوصالح ؒ بیان کرتے ہیں: میں ایک دفعہ سیدہ ام سلمہ ؓ کے ہاں تھا کہ ان کا ایک قریبی نوجوان بڑے بالوں والا داخل ہوا، پھر وہ نماز پڑھنے کے لیے اٹھا اور دورانِ نماز پھونک ماری (تاکہ سجدے والی جگہ صاف ہو جائے اور پیشانی خاک آلود نہ ہو) یہ دیکھ کر سیدہ ام سلمہ ؓ فرمانے لگیں: اے میرے چھوٹے بیٹے! پھونک نہ مارو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہمارے ایک کالے غلام کو (ان الفاظ میں نصیحت) فرماتے ہوئے سنا: ''اے رباح! اپنے چہرے کو خاک آلود کرو۔'' (المستدرك للحاكم: 271/1)

مُسّہ ازدیہ ؒ بیان کرتی ہیں کہ میں حج کے لیے گئی تو سیدہ ام سلمہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے عرض کی! ام المؤمنین! (صحابیِ رسول) سیدنا سمرہ بن جندب ؓ عورتوں کو ایامِ حیض کی نمازوں کی قضا ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ سیدہ ام سلمہ ؓ فرمانے لگیں: وہ کوئی قضا ادا نہ کریں۔ نبی کریم ﷺ کی عورتوں میں سے ایک عورت چالیس دنوں تک نفاس کی وجہ سے بیٹھی رہتی تھی۔ نبی کریم ﷺ اسے ان دنوں کی نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیتے تھے۔ (سنن أبي داود: 312)

اس سے اندازہ کیجیے کہ سیدہ ام سلمہ ؓ کو نبی کریم ﷺ کی سنن سے کس قدر واقفیت اور اشاعت سنن کی کس قدر حرص اور اتباعِ سنن سے کس قدر گہرا شغف تھا۔

سیدہ حفصہ ؓ بھی نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ وہ سیدنا عمر فاروق ؓ کی بیٹی تھیں۔ 3 ہجری کے آخر میں نبی کریم کی زوجیت میں آئیں۔ سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمہ ؓ کی طرح وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی سنن کا باریکی اور گہرائی سے مشاہدہ کرنے والی اور انھیں عوام الناس تک پہنچانے والی تھیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو: عبداللہ بن صفوان ؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے سیدہ حفصہ ؓ نے بتایا کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''ایک لشکر اس گھر (بیت اللہ) پر حملہ کرنے کا قصد کرے گا۔ جب وہ بیداء مقام پر پہنچے گا تو اس کے درمیان کے لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، اس پر ان کے اگلے، پچھلوں کو بلائیں گے تو پھر ان سب کو دھنسا دیا جائے گا، صرف ایک شخص باقی رہ جائے گا جو ان کے بارے میں بتائے گا۔''

(صحیح مسلم: 2883)

امہات المومنین ؓ جہاں خانگی اور نسوانی مسائل سے متعلق آپ کے فرمودات اور سنن کو یاد رکھنے کا اہتمام کرتی تھیں، وہاں دیگر اہم معاملات کے متعلق آپ کی سنن و احکام کو یاد رکھنے اور انھیں لوگوں تک پہنچانے کا بھی خاص اہتمام کرتی تھیں۔ سیدہ حفصہ ؓ کی یہ حدیث اس امر کا بین ثبوت ہے۔

سیدہ زینب بنت جحش ؓ بھی نبی کریم ﷺ کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ وہ آپ کی پھوپھی زاد تھیں۔ وہ پہلے آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ ؓ کے عقد میں تھیں۔ ذہنی

ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ نے حکمِ الٰہی سے ان سے شادی کر لی۔ اس طرح وہ امہات المؤمنین کی صف میں شامل ہو گئیں۔ دیگر امہات المؤمنین کی طرح سیدنا زینب رضی اللہ عنہا بھی سننِ رسول ﷺ کو سیکھنے، سمجھنے اور بوقت ضرورت لوگوں کو اس کی تعلیم دینے کا خصوصی اہتمام کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی متعدد سنن ہمیں ان کے واسطے سے موصول ہوئی ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی خاتون کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے اپنے شوہر کے۔ اس کا چار ماہ دس دن سوگ منائے۔'' (صحيح البخاري: 1282، و صحيح مسلم: 1487)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ وہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ دونوں میاں بیوی بعثت کے ابتدائی دور میں اکٹھے مسلمان ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ میں عبید اللہ عیسائی ہو گیا اور اسی حالتِ ارتداد میں مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے بیوہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے بذریعہ نجاشی انھیں نکاح کا پیغام بھیجا جو انھوں نے بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔ اس طرح وہ بھی آپ کے حبالۂ عقد میں آ کر امہات المؤمنین کی جماعت کا حصہ بن گئیں۔ نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنانا، اس پر دوام اختیار کرنا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینا ان کا خاص وصف تھا۔ آپ ﷺ کی متعدد سنن ایسی ہیں جو ہمیں صرف انھی کے واسطے سے موصول ہوئی ہیں۔ اس اعتبار سے وہ ہمارے بڑے شکریے اور سپاس کی مستحق ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے ظہر (کی جماعت) سے پہلے چار رکعتیں اور چار رکعتیں ظہر (کی نماز) کے بعد پڑھیں، اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کی آگ حرام کر دی۔'' سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب سے میں نے آپ ﷺ کا یہ فرمان سنا ہے، تب سے میں نے انھیں نہیں چھوڑا۔ (مسند أحمد: 325/6، و جامع الترمذي، حديث: 427، 428)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس قافلے اور جماعت میں گھنٹی ہو، فرشتے اس کے ساتھ نہیں رہتے۔'' (سنن أبي داود: 2554)

مطلب یہ کہ قافلے میں موجود جانوروں کے گلوں میں گھنٹیاں اور گھنگرو قسم کی چیزیں باندھنا جائز نہیں ہے۔ اس سے فرشتوں کی رفاقت سے اہلِ قافلہ محروم ہو جاتے ہیں۔

سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کی پیاری بیوی ہیں۔ وہ 5 ہجری کے آخر میں آپ کی زوجیت میں آئیں۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو عبادات سے خاص شغف تھا۔ اس حوالے سے آپ ﷺ کی ایک سنت ان سے مروی ہے جو کسی دوسرے واسطے سے ہمیں معلوم اور موصول نہیں ہوئی۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت میرے ہاں تشریف لائے اور مجھے عبادت میں مشغول پایا تو آپ ﷺ اپنی کسی ضرورت کے لیے چلے گئے۔ پھر آپ ﷺ دوپہر کے قریب تشریف لائے تو میں اسی حالت میں پڑی مشغولِ عبادت تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تب سے یونہی بیٹھی ہو؟'' میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایسے کلمات نہ سکھا دوں کہ جنھیں تم پڑھ لو تو وہ تمھاری اب تک کی

خلیفہ مھدی اور طي قبیلے کی بوڑھی عورت

ایک دفعہ خلیفہ مہدی کو راستے میں طی قبیلے کی بوڑھی عورت ملی۔ خلیفہ نے اس سے پوچھا: ''تمھارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟'' وہ بولی: ''میرا تعلق قبیلہ طي سے ہے۔'' خلیفہ نے کہا: ''آخر طي کو کس چیز نے منع کیا ہے کہ ان میں حاتم جیسا ایک اور شخص پیدا ہو؟''

بوڑھی عورت بولی: ''اسی چیز نے جس نے بادشاہوں کو تمھارے جیسا دوسرا بادشاہ پیدا کرنے سے روکا۔'' خلیفہ کو بوڑھی عورت کی حاضر جوابی بڑی پسند آئی اور اس نے اسے انعام سے نوازا۔ (الأذكيا، ص: 191، المحاس والمساوی، ص: 979، المحاسن والأضداد، ص: 35)

نفلی عبادت سے وزنی ہوں گے۔ یہ کلمات تین بار پڑھ لو: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ»

(صحيح مسلم: 2726، و مسند أحمد: 325/6)

اسی طرح سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے ہاں جمعہ کے روز تشریف لائے جبکہ میں روزے سے تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا؟'' میں نے کہا: نہیں۔ پوچھا: ''آئندہ کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟'' میں نے کہا: نہیں، فرمایا: ''پھر روزہ افطار کر لو۔''

(صحيح البخاري: 1986)

تنہا جمعہ کا روزہ رکھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے روزہ رکھ لیا۔ آپ کے بتانے پر انھیں اس مسئلے اور سنت کا علم ہوا تو انھوں نے خود بھی اس پر عمل کیا اور عوام الناس کو بھی اس کی تعلیم دی۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ خیبر فتح ہوا تو وہ لونڈی بنا لی گئیں۔ مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ کچھ لوگوں نے آپ ﷺ سے گزارش کی کہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنو نضیر اور بنو قریظہ کے سردار کی بیٹی ہیں اور وہ آپ کے شایان شان ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو اور لونڈیاں دے کر صفیہ رضی اللہ عنہا واپس لے لیں اور ان سے شادی کر لی۔ اس طرح وہ امہات المؤمنین کی لڑی میں پرو دی گئیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی حلیم الطبع، کشادہ دل اور صابرہ خاتون تھیں۔ ان صفات عظیمہ سے متصف ہونے کے باوصف وہ رسول اللہ ﷺ کے احکام و سنن کو سیکھنے، سمجھنے اور دیگر لوگوں کو ان سے روشناس کرانے کا خاص جذبہ اور ذوق بھی رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کئی سنن سے ہم ان کے ذریعے سے واقف اور شناسا ہوئے ہیں، مثلاً: وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کر رہے تھے کہ میں رات کے وقت آپ سے ملاقات کے لیے گئی۔ آپ سے بات چیت ہوئی۔ پھر میں واپس ہوئی تو آپ بھی میرے ساتھ چل پڑے۔ میری رہائش اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے گھر میں تھی۔ اسی اثنا میں انصار کے دو آدمیوں کا گزر ہوا۔ جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو تیز تیز چلنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی چال ہی میں چلو! یہ صفیہ بنت حُیَیّ ہیں۔'' ان دونوں نے عرض کی: سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول! (آپ کے بارے میں برا گمان کون کر سکتا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''انسان کے اندر شیطان خون کی طرح چلتا ہے اور مجھے خوف ہوا کہ وہ تمھارے دلوں میں کوئی بری بات نہ ڈال دے۔'' (صحيح البخاري: 3281، و صحيح مسلم: 2175)

رسول اللہ ﷺ کی سنن کا وافر علم رکھنے کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے عہد میں علم کا مرکز تھیں اور دور دراز سے خواتین تعلیم سنن کے لیے ان کے ہاں حاضری دیتی تھیں۔ صبیرہ بنت جیفر بیان کرتی ہیں کہ ہم حج کے لیے آئیں، پھر ہم مدینہ پہنچیں تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہاں کوفہ کی بہت سی خواتین مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس پر وہ خواتین صبیرہ سے کہنے لگیں: یا تو تم سوال کرو، ہم سنیں گیں، یا ہم سوال کرتی ہیں اور تم سنو۔ ہم نے کہا: تم سوال کرو۔ اس طرح ان خواتین نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے میاں بیوی کے معاملات اور حیض کے احکام کے حوالے سے متعدد سوالات پوچھے۔ پھر وہ آپ سے مٹی کے گھڑے میں بنائے جانے والے نبیذ کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ اس پر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: اے اہلِ عراق! تم نے بڑی کثرت سے یہ مسئلہ پوچھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے گھڑے میں بنائے جانے والے نبیذ کے استعمال سے منع کیا ہے۔

(مسند أحمد: 337/6)

اس واقعے سے اندازہ لگائیں کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سنن رسول پر کس قدر گہری نظر رکھتی تھیں اور انھیں لوگوں تک پہنچانے کی کس قدر حریص تھیں۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ 7 ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں اور امہات المومنین کے حلقے میں شامل ہوئیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی سب سے آخری بیوی تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی خاتون تھیں۔ احکام و سنن کو سیکھنا، یاد رکھنا اور انھیں دوسرے لوگوں کو سکھانا انھیں ہر چیز سے زیادہ محبوب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کئی سنن ان کے ذریعے سے امت کے علم میں آئیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں: عالیہ دختر

سمیع بیان کرتی ہیں کہ اُحد کی جانب میری بکریاں تھیں۔ ہوا یوں کہ وہ مرنا شروع ہو گئیں۔ میں ام المومنین سیدہ میمونہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے اس کا ذکر کیا۔ وہ مجھ سے فرمانے لگیں: اگر تم ان کا چمڑا اتار لیا کرو تو ان سے فائدہ اٹھاؤ گی۔ میں نے پوچھا: کیا یہ حلال ہے؟ وہ فرمانے لگیں: ہاں! قریش کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرے۔ وہ ایک بکری گھسیٹتے جا رہے تھے جیسے گدھا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم اس کا چمڑا ہی اتار لیتے؟'' وہ کہنے لگے: یہ مردار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے پانی اور قرظ پاک کر دیتا ہے۔'' (قرظ کیکر کی مانند ایک درخت ہے جو چمڑا صاف کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔''

(سنن أبي داود: 9126)

عبدالرحمٰن بن سائب ؒ حضرت میمونہ ؓ کے بھتیجے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ میمونہ ؓ ان سے کہنے لگیں: اے بھتیجے! کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ والا دم نہ کروں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں (ضرور کریں۔) انھوں نے ان الفاظ میں دم کیا: «بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ فِيكَ أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ» ''اللہ کے نام کے ساتھ میں تجھے دم کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمھیں ہر بیماری سے شفا دے گا جو تمھیں لاحق ہے۔ بیماری کو دور کر دے اے لوگوں کے رب! اور شفا عطا فرما تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں۔''

(مسند أحمد: 332/6)

دیگر امہات المومنین کی طرح سیدہ میمونہ ؓ کی بھی عادت تھی کہ جب وہ کسی خلاف سنت عمل کو دیکھتیں تو فوراً اس کی تردید کرتیں اور صحیح سنتِ نبوی کو بیان کرتیں۔ منبوذ ؒ کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ وہ سیدہ میمونہ ؓ کے پاس بیٹھی تھیں کہ سیدنا ابن عباس ؓ ان کے پاس آئے۔ (سیدہ میمونہ ؓ ان کی خالہ تھیں) وہ پوچھنے لگیں: ''تمھارے بال کیوں بکھرے ہوئے ہیں؟'' ابن عباس ؓ کہنے لگے: ''میری کنگھی کرنے والی (بیوی) ام عمار حائضہ ہے (اس لیے وہ میرے ساتھ میل جول نہیں رکھ سکتی۔) سیدہ میمونہ ؓ فرمانے لگیں: ''میرے چھوٹے بیٹے! حیض کا ہاتھ سے کیا تعلق؟ بلاشبہ نبی کریم ﷺ ہم میں سے کسی ایک کے ہاں تشریف لاتے اور وہ حیض کے دنوں میں ٹیک لگا کر بیٹھی ہوتی۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ ٹیک لگا لیتے اور اسی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے اور وہ حیض ہی کے ایام میں اٹھتی اور آپ کی نماز کی جگہ میں آپ کے لیے کپڑا بچھاتی۔'' راوی ابن بکر نے یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں: ''اور آپ ﷺ اسی کپڑے میں میرے گھر میں نماز پڑھتے۔ اے میرے چھوٹے بیٹے! حیض کا ہاتھ میں کیا اثر۔''

(مسند أحمد: 334/6)

مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عباس ؓ (مسئلے سے لاعلمی کی بنا پر) ایام حیض میں اپنی بیوی سے اپنا بستر الگ تھلگ کر لیتے۔ سیدہ میمونہ ؓ کو اس کا علم ہوا تو وہ ان سے فرمانے لگیں: «أَرَغْبَةً عَنْ سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ» ''کیا تم رسول اللہ ﷺ کی سنت سے بے رغبتی کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ بیوی کے حیض کے دنوں میں اس کے ساتھ سوتے اور دونوں کے درمیان صرف ایک کپڑا ہوتا جو گھٹنوں سے تجاوز نہ کرتا، یعنی بہت چھوٹا ہوتا۔'' (مسند أحمد: 332/6)

اندازہ کیجیے کہ سیدہ میمونہ ؓ کس قدر سختی سے سنت پر عمل پیرا رہتی تھیں اور دوسروں کو بھی اس رنگ میں دیکھنا پسند کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی ادنیٰ سے مخالفت بھی انھیں گوارا نہ تھی۔ ان کے بھانجے ابن عباس ؓ کا اپنی بیوی سے یہ معاملہ لاعلمی کی بنا پر تھا لیکن چونکہ سنتِ رسول ﷺ کے خلاف تھا اس لیے سیدہ میمونہ ؓ نے اس کا سخت نوٹس لیا اور آپ ﷺ کے اس بارے میں اسوۂ حسنہ کو واضح کیا۔

ان مثالوں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری مائیں (امہات المومنین ؓ) ہماری کس قدر خیر خواہ اور مشفق و محسن تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنن کو کمال مہارت سے سمجھا، یاد رکھا اور ہم تک پہنچایا جن سے ہماری زندگیاں آسانیوں اور خوشیوں سے شاد کام ہو گئیں۔ یقیناً اگر یہ سنن ہمارے علم میں نہ آتیں تو ہم متعدد دشواریوں اور مشکلات کا شکار ہوتے۔ اس لحاظ سے ہم اپنی ماؤں کے از حد ممنون و شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں تمام امتِ محمد ﷺ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!



ننھے بچے نے ماں کو سبق سکھایا

اقبال صدیق
ریسرچ فیلو دارالسلام

ایک شام خدیجہ اپنے بچوں کو سکول کا ہوم ورک کرا رہی تھی۔ اس دوران اس نے اپنے چار سالہ بچے کو کچھ لکھنے یا لکیریں لگانے کے لیے ایک کاپی پنسل تھما دی تا کہ وہ اپنے کام میں مشغول رہے اور باقی بچوں کی پڑھائی میں مخل نہ ہو۔ اچانک خدیجہ کو یاد آیا کہ اس نے ابھی تک اپنے بوڑھے سسر کے لیے رات کا کھانا تیار نہیں کیا جو گھر کے ساتھ حویلی کے ایک کمرے میں اپنی زندگی کے آخری دن گزار رہا تھا اور چلنے پھرنے سے قاصر تھا۔ خدیجہ اپنی ہمت کے مطابق اپنے سسر کی خدمت اور دیکھ بھال کرتی رہتی تھی۔ اس کا خاوند اپنے والد کی اس خدمت پر اس سے راضی تھا۔

خدیجہ نے جلدی سے اپنے سسر کو کھانا پہنچایا اور اس کی دیگر ضروریات کا پوچھ کر واپس آ گئی۔ وہ جب بچوں کے پاس پہنچی تو دیکھا اس کے چھوٹے بیٹے نے کاپی پر کچھ مربع شکل کے ڈبے اور دائرے بنائے ہوئے تھے اور ان میں کچھ نشانات بھی لگائے ہوئے ہیں۔ ماں نے یہ دیکھا تو پوچھا: میری جان! یہ کیا بنا رہے ہو؟ بیٹے نے بھولپن سے جواب دیا: یہ میں نے اپنے گھر کا نقشہ بنایا ہے۔ جب میں بڑا ہوں گا تو شادی کرا کر اس میں رہوں گا۔ ماں کو اس کے جواب پر بڑا تعجب ہوا اور پوچھنے لگی: اچھا بتاؤ، تمھارا بیڈ روم کون سا ہے اور ڈرائنگ روم کہاں ہوگا؟ بچے نے ہر ہر ڈبے کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ میرا بیڈروم ہے، یہ کچن ہے اور یہ ڈرائنگ روم ہے۔ گھر کے کمروں کے متعلق جو وہ جانتا تھا اس نے نام لے لے کر بتا دیے۔ اس نے گھر کی چار دیواری کے باہر ایک کونے میں الگ سے ایک مربع بنایا ہوا تھا۔ اس مربعے کو دیکھ کر ماں کو بڑی حیرانی ہوئی اور پوچھنے لگی: میرے پیارے بیٹے! گھر کی چار دیواری کے باہر باقی کمروں سے الگ یہ کس کا کمرہ ہے؟

بچے نے جواب دیا: ”یہ آپ کا کمرہ ہے۔ یہاں آپ رہیں گی جیسے اب میرے دادا جان اس کمرے میں رہ رہے ہیں۔“ یہ جواب سن کر ماں پر گویا سکتہ طاری ہو گیا۔ پھر کہنے لگی: ”کیا میں گھر سے باہر اس حویلی والے کمرے میں رہوں گی؟ اس طرح میں اپنے بچوں اور پوتے پوتیوں سے باتیں کر کے کیسے اپنے دل کو بہلاؤں گی، نیز ان کی میٹھی میٹھی شرارتوں سے کیسے محظوظ ہو سکوں گی، خصوصاً جب میں چلنے پھرنے سے عاجز آ جاؤں گی تو اپنی زندگی کے باقی دن گھر سے الگ حویلی میں کیسے گزاروں گی جہاں خاندان کی آواز بھی مجھ تک نہیں پہنچ پائے گی؟“

معصوم بچے کی ذہانت نے ماں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

خدیجہ نے جلدی جلدی خادموں کو بلایا اور ڈرائنگ روم کا سامان اٹھوا دیا، حالانکہ گھر میں ڈرائنگ روم ہی وہ مقام ہے جسے خوب سجایا جاتا ہے اور ہر کوئی یہیں بیٹھنے کو ترجیح دیتا ہے۔ یہاں اس نے اپنے سسر کا پلنگ لگا دیا اور مہمانوں کے لیے مختص سامان باہر حویلی والے کمرے میں رکھوا دیا۔

شام کو سلیم گھر آیا تو یہ نئی تبدیلی دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ اسے یہ تبدیلی اچھی لگی تھی، لہٰذا فوراً پوچھا: ”اس تبدیلی کا سبب کیا ہے؟“ خدیجہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور وہ گویا ہوئی: ”مجھے خوبصورت کمرے میں رہنا پسند ہے، جہاں میں اور آپ، اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں طبعی زندگی عطا کی اور ہم حرکت سے بھی عاجز آ گئے، زندگی کے بقیہ دن گزاریں گے۔ باقی رہے مہمان تو ان کے لیے حویلی والا کمرہ ہوگا۔“

سلیم بیوی کا مقصد سمجھ گیا تھا اور اس نے اس کے والد کے لیے جو اچھا کردار ادا کیا تھا، اس پر بہت خوش تھا۔ ادھر باپ کے چہرے پر رونق تھی اور وہ خدیجہ کی طرف تحسین کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل سے بہو اور بیٹے کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں۔ ننھا بچہ بھی اس تبدیلی کو سمجھ گیا اور اس نے بھی اپنا بنایا ہوا نقشہ تبدیل کر دیا اور مسکرانے لگا۔ خدیجہ اور سلیم اس کی اس ادا اور ذہانت پر اس کی بلائیں لے رہے تھے۔

(عربی سے ترجمہ)

افغانستان سے برطانوی انخلا

سیستان کی سرحد کے تنازع میں انگریزوں کی ایران نواز ثالثی کے باعث 1878ء میں دوسری اینگلو افغان جنگ چھڑی۔ انگریزوں نے کابل فتح کر لیا۔ امیر شیر علی مزار شریف بھاگ گیا جہاں وہ فروری 1879ء میں فوت ہو گیا۔ اگلے ماہ انگریزوں نے اس کے بیٹے محمد یعقوب کو قید سے نکال کر امیر بنا دیا۔ چند ماہ بعد کابل میں بغاوت ہوئی اور انگریز سفیر لوئیس کیوگنری اور ارکانِ سفارت تہ تیغ کر دیے گئے۔ انگریز کمانڈر رابرٹس نے دوبارہ کابل فتح کیا مگر پھر اسے محمد جان اور ملامشک عالم کی قیادت میں قبائلی لشکر سے لڑنا پڑا۔ پھر احمد خیل کے مقام پر غلزئیوں کے لشکر سے شدید جنگ ہوئی۔ ادھر شیر علی کا دوسرا بیٹا محمد ایوب ہرات سے قندھار کی طرف بڑھا اور میوند کے مقام پر 27 جولائی 1880ء کو اس نے انگریزی فوج کو شکست فاش دی۔ یوں انگریزوں کو افغانستان خالی کرتے ہی بنی۔ جنگِ میوند میں سترہ اٹھارہ ہزار برطانوی فوج ماری گئی تھی۔

میوند کی مجاہدہ ملالے

جب برطانوی فوج نے میوند پر حملہ کیا تھا، اس دن میوند کی ایک دوشیزہ ملالے کی شادی تھی۔ شادی کے دن جنگ شروع ہونے پر ملالے کے والد اور منگیتر بھی جنگ میں شریک ہو گئے۔ ملالے اپنے خاندان کی دیگر عورتوں کے ہمراہ میدانِ جنگ کے اطراف میں زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ ایک موقع پر انگریزوں نے افغان فوج پر دباؤ بڑھایا تو ملالے نے اپنے اشعار کے ذریعے افغان فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی اور کہا کہ اگر آج میوند کے میدان میں تم نے شکست کھائی تو افغان خواتین تمھیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ لڑائی میں افغان فوج کا پرچم بردار زخمی ہو گیا۔ پرچم گر گیا تو ملالے آگے بڑھی اور اس نے پرچم تھام کر دوبارہ لہرا دیا۔ اس لڑکی کو پرچم تھامے دیکھ کر افغانیوں میں نیا جذبہ پیدا ہوا اور انھوں نے دشمن پر بھرپور حملے شروع کر دیے۔ دریں اثنا انگریزوں نے ملالے کو نشانہ بنا کر شہید کر ڈالا۔ آخر کار دشمن نے شکست کھائی اور میوند کی ملالے افغانوں کی تاریخ کا ناقابلِ فراموش کردار بن گئی۔ وہ

افغانستان



حریت پسندوں اور مجاہدوں کا دیس

محسن فارانی

②

شمارہ 11 | نومبر 2012ء

مجاہدہ تھی مگر آج اس کی ہم نام سوات کی ملالہ یوسفزئی یہود و نصاریٰ کی چہیتی اور ظالم مرتد بارک اوباما کی ثنا خواں ہے، آخر کیوں؟

پاک افغان سرحد کیسے بنی؟

افغانستان اور پاکستان کی سرحد ڈیورنڈ لائن کہلاتی ہے۔ 1893ء میں انگریز نمائندے مارٹیمر ڈیورنڈ نے افغانستان کے حکمران امیر عبدالرحمٰن خان کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا، جس کی رو سے افغانستان اور برطانوی ہند کی سرحد کی حد بندی کی گئی۔ مارٹیمر ڈیورنڈ کے نام پر اسے ڈیورنڈ لائن کہا جاتا ہے۔ درہ بروغل (چترال) سے لے کر رباط قلعہ (چاغی) تک اس کی لمبائی 2640 کلو میٹر ہے۔ اس معاہدے کی رو سے امیر عبدالرحمٰن نے سوات، چترال، وزیرستان، خیبر، چاغی، چمن، پشین، پارا چنار اور کرم کے علاقے برطانوی حکومت کے لیے چھوڑ دیے اور ان کے پار برصغیر کی مغربی سرحد بن گئی۔

بچہ سقہ، نادر شاہ اور ظاہر شاہ

جنوری 1929ء میں امان اللہ شاہ کی ''روشن خیالی'' کے خلاف بغاوت ہوئی اور حبیب اللہ عرف بچہ سقہ نے تخت کابل پر قبضہ کر لیا جبکہ امان اللہ فرار ہو کر یورپ (اٹلی) چلا گیا۔ مگر نومبر میں امان اللہ شاہ کے عم زاد جنرل نادر خاں نے بچہ سقہ کو شکست دے کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ بچہ سقہ مارا گیا۔ نادر شاہ کو 1933ء میں ایک طالب علم نے قتل کر دیا تو اس کا بیٹا ظاہر شاہ جانشین ہوا۔

افغانستان میں صدارتی حکمرانی

1973ء میں ظاہر شاہ بیرونِ ملک تھا جب اس کے عم زاد اور بہنوئی داؤد خان (سابق وزیر اعظم) نے حکومت پر قبضہ کر کے صدرِ افغانستان ہونے کا اعلان کر دیا۔ داؤد خاں کے عہد میں کمونسٹ روس کا اثر و رسوخ مزید بڑھا۔ پھر جب صدر داؤد نے پاکستان آ کر جنرل ضیاء الحق کے ساتھ تعلقات بڑھانے چاہے تو اپریل 1978ء میں روسی تربیت یافتہ کمونسٹ فوجی افسروں نے داؤد کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا اور کمونسٹ نور محمد ترہ کی صدر بن گئے۔ ستمبر 1979ء میں ترہ کی کو ہلاک کر کے حفیظ اللہ امین برسرِ اقتدار آئے۔

سوویت روس کے خلاف جہاد

صدر حفیظ اللہ امین نے سخت روسی حلقے سے نکلنے کے لیے امریکہ سے رابطہ کیا تو بوڑھے آمر بریز نیف کے حکم پر روسی افواج براہ راست افغانستان پر حملہ آور ہوئیں۔ اس حملے میں حفیظ اللہ امین مارا گیا۔ کمونسٹ ببرک کرمل روسی ٹینک پر کابل میں وارد ہوا اور کٹھ پتلی صدر بن بیٹھا۔ جلد ہی حریت پسند افغان روسی فوج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق شہید کی حکومت ان کی پشت پناہ بن گئی اور عالمِ اسلام کے مجاہدین کی مدد سے انھوں نے روسیوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ مجاہدین کو امریکی اور چینی اسلحہ بھی ملتا رہا۔ 1986ء میں کرمل کی جگہ ڈاکٹر نجیب اللہ نے لے لی جو پاکستان سے طب میں سند یافتہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھا۔ اس دوران میں 30 لاکھ افغان مہاجرین پاکستان چلے آئے تھے جبکہ 20 لاکھ نے ایران میں جا پناہ لی تھی۔ 10 سالہ جنگ میں 10 لاکھ افغان شہید ہوئے۔ ستمبر 1986ء میں امریکی سٹنگر میزائلوں سے مجاہدین نے روسی گن شپ ہیلی کاپٹر گرانے شروع کیے تو جنگ کا پانسا پلٹا۔ آخر کار روسی معاہدہ جنیوا (اپریل 1988ء) کے تحت 15 فروری 1989ء تک اپنی افواج کو افغانستان سے نکالنے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران میں اپنے غداروں اور اغیار کی سازش سے 17 اگست 1988ء کو جنرل ضیاء الحق اور ان کے دستِ راست جنرل اختر عبدالرحمٰن فضائی ''حادثے'' میں شہید کر دیے گئے تھے۔ افغان جہاد کے نتیجے میں دسمبر 1991ء میں سوویت یونین کے ٹوٹنے سے وسطی ایشیا اور مشرقی یورپ کے 14 ممالک روسی قبضے سے آزاد ہو گئے جن میں افغانستان کے تین شمالی مسلم ہمسائے بھی شامل تھے۔ اپریل 1992ء میں نجیب اللہ کی کمونسٹ حکومت مجاہدین کی یلغار کے آگے ڈھیر ہو گئی اور جمعیتِ اسلامی کے امیر برہان الدین ربانی افغانستان کے رئیس (صدر) بنے۔

کافرستان سے نورستان تک

مسلمان جغرافیہ دان اصطخری 921ء کے لگ بھگ اپنی کتاب المسالک والممالک میں لکھتا ہے: ''کابل میں ایک قلعہ ہے جو بہت مضبوط ہے جس میں صرف ایک سڑک سے داخل ہوا جا سکتا ہے۔ قلعے کے اندر مسلمان

رہتے ہیں۔ جبکہ کابل شہر میں ہند کے کافر (ہندو) آباد ہیں۔''

گیارھویں صدی عیسوی تک افغانستان کے بیشتر باشندے مسلمان ہو گئے اور صرف شمال مشرق میں چترال (پاکستان) سے ملحق علاقے ''کافرستان'' میں بدھ وغیرہ آباد تھے۔ پچھلی ایک صدی میں کافروں کے مسلمان ہونے پر یہ علاقہ نورستان کہلانے لگا۔

قندھار و کابل میں طالبان

صدر ربانی سے جہادی تنظیم حزب اسلامی کے امیر گلبدن حکمت یار کی مفاہمت نہ ہونے سے ملک میں خانہ جنگی اور بد امنی پھیل گئی۔ ستمبر 1996ء میں طالبان نے کابل پر قبضہ کر کے امارت اسلامی افغانستان کے قیام کا اعلان کر دیا۔ ملا محمد عمر امیر المومنین بنے۔ جمعیت اسلامی کے احمد شاہ مسعود اور جنبش ملی کے عبدالرشید دوستم نے کابل سے نکل کر طالبان کے خلاف متحدہ محاذ (شمالی اتحاد) بنا لیا۔ طالبان حکومت نے ملک میں شرعی قوانین نافذ کر کے مکمل امن و امان قائم کر دکھایا حتی کہ پوست کی کاشت اور ہیروئن کا بھی خاتمہ کر دیا۔ لیکن مغربی ممالک کو شریعت کا نفاذ پسند نہ آیا اور انھوں نے شمالی اتحاد کی حمایت شروع کر دی۔ بھارت نے بھی شمالی اتحاد کا ساتھ دیا۔ 1996ء ہی میں جہادِ افغانستان کے مجاہد عرب قائد اسامہ بن لادن طالبان کی دعوت پر سوڈان سے افغانستان چلے آئے تھے۔

امریکی قیادت میں اتحادی حملہ

11 ستمبر 2001ء کو ''اغوا شدہ'' طیارے ٹکرانے سے ورلڈ ٹریڈ ٹاورز (نیویارک) اور وزارتِ دفاع کی پنجسٹ عمارت پینٹاگون (واشنگٹن) کی تباہی کے بعد امریکہ نے طالبان حکومت کو الٹی میٹم دیا کہ عرب مجاہدین کی تنظیم القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کو اس کے حوالے کر دیا جائے کیونکہ نائن الیون کی تباہی میں القاعدہ ملوث ہے۔ طالبان نے اس بلا ثبوت الزام کو قبول نہ کیا تو امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے یہود و نصاریٰ کی لونڈی یو این او کی سلامتی کونسل سے قرار داد منظور کروا کر 7 اکتوبر کو افغانستان پر تباہ کن فضائی حملے شروع کر دیے۔ ادھر ''شمالی اتحاد'' کے ساتھ امریکی فوج مزار شریف اور کابل پر حملہ آور ہوئی۔ 9 نومبر کو سقوطِ مزار شریف کے بعد 13 نومبر کو طالبان کابل سے پسپا ہو گئے اور 6 دسمبر 2011ء کو امریکی فوج قندھار پر بھی قابض ہو گئی۔ ملا محمد عمر اور طالبان پہاڑوں میں چلے گئے اور امریکہ نے کٹھ پتلی حامد کرزئی کو صدر افغانستان بنا دیا۔ تورابورا کے غاروں میں اسامہ بن لادن کا ٹھکانہ ڈیزی کٹر بموں سے تباہ کر دیا۔ اسامہ اور ان کے ساتھی وہاں سے نکل کر روپوش ہو گئے۔

افغانستان کے مشہور شہر

شہر بلخ کی المیہ تاریخ

اس شہر کا نام فتوحاتِ سکندر اعظم کے بعد ایک یونانی ریاست باختر (Bactria) کے دارالحکومت کی حیثیت سے سامنے آیا۔ 628ء میں بدھ چینی سیاح ہیون سانگ یہاں آیا۔ اس کے بقول شہر کے جنوب میں نو بہار یا نوو ہارا نامی تقریباً 100 بدھ مندروں کا مجموعہ تھا جن میں سے ہر ایک میں تین سو سے زیادہ بھکشو (بدھ مت کے پجاری) رہتے تھے۔ یاقوت اور بعض مورخوں نے نو بہار کو مجوسی آتش کدہ لکھا ہے۔ 31ھ/641ء میں احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے بلخ فتح کیا۔ 43ھ میں قیس بن ہیثم نے نو بہار کو تباہ اور اس کے بلند گنبد کو مسمار کر دیا۔ عباسی عہد میں سامانی، غزنوی اور سلجوقی اس پر قابض رہے۔ مقدسی لکھتا ہے: ''اس کی مسجدیں خوبصورتی میں بے نظیر ہیں۔'' بلخ 550ھ/1155ء میں غز ترکوں کے ہاتھوں تباہ ہوا اور امیر قماج نے از سر نو بسایا۔ 1198ء میں شہاب الدین غوری اور 1206ء میں خوارزم شاہ اس پر قابض ہوا۔ آخر کار 617ھ/1220ء میں چنگیز خاں نے اسے تباہ کر ڈالا۔ امیر تیمور نے یہاں اسلامی عہد کے شہر ''ربض'' کو از سر نو تعمیر کیا حتی کہ ہرات اور سمرقند کے بعد بلخ وسط ایشیا کا اہم ترین تجارتی مرکز بن گیا۔ افغانی سلطنت (1847ء-1973ء) کے زمانے میں بلخ رفتہ رفتہ ویران ہو گیا اور اس کی جگہ مزار شریف نے لے لی۔

کابل

دریائے کابل پر واقع یہ شہر ملک کا دارالحکومت ہے۔ مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر نے 1504ء میں اسے فتح کیا تھا اور یہیں اس کا مقبرہ واقع ہے۔ 1776ء سے یہ افغانستان کا دارالحکومت چلا آ رہا ہے۔ کابل کی آبادی تقریباً 36 لاکھ ہے۔

قندھار

اسے سکندر اعظم نے ''الیگزینڈریا اراکوشیا'' کے نام سے بسایا تھا۔ بعد میں پشاور کی گندھارا

سلطنت کی نسبت سے اسے قندھار کہا جانے لگا۔ یہ ملک کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ یہاں احمد شاہ ابدالی نے 1747ء میں جدید افغانستان کی بنیاد رکھی تھی۔ قندھار ترنک رُود نامی ندی پر واقع ہے جو دریائے ہلمند کے معاون ارغنداب سے جا ملتی ہے۔ قندھار صوبائی دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 5 لاکھ ہے۔ قندھار 1557ء سے 1747ء تک دو وقفوں کے سوا ایران کی سلطنت میں شامل رہا۔

ہرات

یہ شہر ہری رُود پر واقع ہے۔ اس کا قدیم نام ہری یا ہریو ہے۔ سکندر اعظم نے الیگزینڈریا کے نام سے یہاں نیا شہر آباد کیا تھا۔ ہرات صوبائی دارالحکومت ہے۔ یہ ماضی کے خراسان کا اہم شہر تھا۔ اس کی آبادی تقریباً 4 لاکھ ہے۔

غزنی

یہ تاریخی شہر کابل اور قندھار کے درمیان واقع ہے۔ ماضی میں اسے غزنہ یا غزنیں کہا جاتا تھا۔ 962ء میں یہاں غزنوی سلطنت قائم ہوئی تھی۔ یہ دوسو برس غزنوی سلطنت کا صدر مقام رہا۔ 1162ء میں اس پر غز (اوغوز) ترکوں اور 1173ء میں شہاب الدین غوری نے قبضہ کیا۔ ان دنوں غزنی صوبائی دارالحکومت ہے۔ آبادی 9.5 لاکھ ہے۔

مزار شریف

یہ شمالی افغانستان کا سب سے بڑا شہر اور صوبہ بلخ کا دارالحکومت ہے۔ اس کے 20 کلومیٹر شمال مغرب میں تاریخی شہر بلخ کے کھنڈر واقع ہیں۔ مزار شریف کی آبادی پونے چار لاکھ ہے۔ اس جگہ ایک گاؤں ''خیر'' نامی تھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مزعومہ مزار کی نسبت سے شہر مزار شریف بن گیا۔

گردیز

یہ صوبہ پکتیا کا دارالحکومت ہے جو کابل خوست شاہراہ پر واقع ہے۔

حسن بصری زرنج میں

زرنج ماضی میں سیستان کا سب سے بڑا شہر اور پایۂ تخت تھا۔ یہ دریائے ہلمند کی ایک معاون ندی پر واقع ہے۔ اسے عہدِ عثمانی میں ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ نے 30ھ/650ء میں فتح کیا تھا۔ تین سال بعد سیستانیوں نے بغاوت کر دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو حسن بصری رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء کی معیت میں زرنج بھیجا تو مرزبان اپر ویز نے اطاعت کر لی۔ زرنج ان دنوں صوبہ نیمروز کا دارالحکومت ہے۔

بدخشاں اور لعلِ بدخشاں

شمالی مشرقی افغانستان کے صوبہ بدخشاں کی سرحدیں تاجکستان، چین اور پاکستان سے ملتی ہیں۔ اردو فارسی ادب میں ''لعلِ بدخشاں'' کی ترکیب استعمال ہوتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ماضی میں یہاں لعل (Rubies) وافر ملتے تھے۔ صوبہ بدخشاں کا دارالحکومت فیض آباد ہے۔

معدنیات

افغانستان کے معدنی ذخائر میں قدرتی گیس، تانبا، کرومائٹ، سونا، کوئلہ اور لوہا شامل ہیں۔ اس وقت صرف قدرتی گیس نکالی جا رہی ہے۔ شمالی افغانستان میں خام تیل کے ذخائر بھی ہیں۔

نسلی تناسب

افغانستان کی 3 کروڑ کی آبادی میں مختلف نسلوں کا تناسب درج ذیل ہے:

پشتون 42 فیصد، تاجک 27 فیصد، ہزارہ (شیعہ) 9 فیصد، ازبک 9 فیصد، ترکمان 3 فیصد، بلوچ 2 فیصد۔

افغانستان میں زراعت

افغانستان کی زرعی پیداوار میں افیون (پوست)، گندم اور پھل شامل ہیں۔ پھلوں میں انار، انگور، سیب، گرما، بادام اور اخروٹ ملتے ہیں۔ پاکستان میں ''چمن کا انگور'' بکتا ہے، وہ دراصل افغانستان سے آتا ہے۔

افغانستان کے مشاہیر

مولانا روم (1207ء-1273ء)

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ بلخ (افغانستان)

سودا اور تمھارے ساتھ...!

ایک شخص نے مٹھائی بیچنے والے سے پاؤ مٹھائی ادھار مانگی۔ مٹھائی بیچنے والا بولا: ''تھوڑی سی چکھ کر دیکھو۔ بہت مزے کی ہے۔'' وہ شخص بولا: ''میں چکھ نہیں سکتا کیونکہ میں پچھلے رمضان کے چھوڑے ہوئے روزے رکھ رہا ہوں۔'' دکاندار بولا: ''اللہ مجھے تمھارے ساتھ سودا کرنے سے بچائے'' جب تم اپنے رب کو ایک سال تک ٹالتے رہے ہو تو میرے ساتھ کیا کرو گے؟'' (الکشکول، ص: 1580)

میں پیدا ہوئے۔ تاتاری حملے کے باعث اپنے والد مولانا بہاء الدین کے ہمراہ ہجرت کر کے الروم (موجودہ ترکی) کے شہر قونیہ چلے گئے۔ مولانا روم کی فارسی مثنوی بہت مشہور ہے۔ ان کا مزار قونیہ میں ہے۔ علامہ اقبال مولانا روم سے بہت متاثر ہوئے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (1149ء۔1209ء)

مفسر قرآن اور فلسفی فخر الدین رازی رحمہ اللہ ایران کے شہر رَے میں پیدا ہوئے۔ آپ خوارزم اور ماوراء النہر سے ہو کر ہرات آئے جہاں سلطان غیاث الدین غوری نے انھیں مدرسہ کھولنے کی اجازت دی۔ ہرات میں وہ شیخ الاسلام کہلائے جہاں بیک وقت تین سو سے زائد شاگرد اُن کے ہم رکاب رہتے تھے۔ امام رازی فاتح ہند شہاب الدین غوری کے لشکر میں امامت کے منصب پر فائز تھے۔ انھوں نے 60 سال کی عمر میں ہرات میں وفات پائی۔

سید علی ہجویری رحمہ اللہ

صوفی بزرگ سید علی ہجویری کا نام علی بن عثمان اور کنیت ابو الحسن ہے۔ آپ 400ھ/ 1010ء میں غزنی کے محلّہ ہجویر میں پیدا ہوئے، اس لیے انھیں ہجویری کہا جاتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب آٹھ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ نے مختلف ممالک کی سیاحت کی۔ پھر سلطان مسعود غزنوی کے عہد میں لاہور آئے اور یہاں بے شمار غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔ آپ نے 19 صفر 465ھ کو لاہور میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ کشف المحجوب ان کی مشہور کتاب ہے۔

سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ

غزنی کے محدث عالم سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ 1230ھ/ 1815ء میں بہادر خیل (مضافات غزنی) میں پیدا ہوئے۔ والدین نے نام محمد اعظم رکھا تھا مگر انھوں نے اپنا نام عبداللہ رکھ لیا۔ شیخ حبیب اللہ قندھاری سے کسبِ فیض کیا۔ اتباع سنت کا پرچار کرتے ہوئے بدعات و رسوم کے خلاف آواز بلند کی تو بہت سے لوگ، علماء اور حکام ان کے مخالف ہو گئے۔ ان کی شکایت پر امیر دوست محمد خاں نے انھیں ملک چھوڑنے کو کہا، چنانچہ وہ کابل سے سوات اور پھر دہلی پہنچے اور میاں نذیر حسین محدث رحمہ اللہ سے سندِ حدیث حاصل کی۔ دوست محمد خاں کی وفات (1863ء) پر وہ اپنے وطن گئے تو امیر افضل خاں نے انھیں ان کے دو بیٹوں کے ہمراہ جیل میں ڈال دیا۔ اکتوبر 1867ء میں نئے امیر اعظم خاں نے ان کو پشاور جلا وطن کر دیا۔ وہ امرتسر چلے آئے اور وہیں 1298ھ/ 1881ء میں انتقال فرمایا۔ سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ ان کے پوتے تھے۔

سید جمال الدین افغانی

سید محمد جمال الدین افغانی اتحاد عالم اسلام کے داعی تھے۔ وہ 1838ء میں کنڑ کے قریب اسعد آباد میں پیدا ہوئے اور کابل میں تعلیم حاصل کی۔ 1869ء میں وہ ہندوستان سے ہو کر قاہرہ پہنچے۔ اگلے سال قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔ 1979ء میں برطانیہ کے دباؤ پر انھیں مصر سے نکلنا پڑا اور وہ پھر ہندوستان چلے آئے۔ 1883ء میں انھوں نے مفتی محمد عبدہٗ سے مل کر پیرس سے ہفتہ وار عربی اخبار العروۃ الوثقیٰ نکالا۔ 1886ء میں شاہ ناصر الدین قاچار کی دعوت پر تہران آئے۔ 9 مارچ 1897ء (1314ھ) کو جمال الدین افغانی وہیں انتقال کر گئے۔ جنوری 1945ء میں ان کی نعش افغانستان لا کر علی آباد نزد کابل میں دفن کی گئی۔

جغرافیائی خدوخال

افغانستان ایک خشکی بند ملک ہے جسے کوئی سمندر نہیں لگتا۔ کوہستان ہندوکش شرقاً غرباً اس کے اندر تک پھیلتا چلا گیا ہے جو اسے شمالی افغانستان اور جنوبی افغانستان میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کی بلند ترین چوٹی نوشق سطح سمندر سے 7492 میٹر اونچی ہے۔ وسطی علاقے میں کوہ بابا اور پاکستان (شمالی وزیرستان و خیبر ایجنسی) کی سرحد پر کوہ سفید واقع ہے۔ واخان کی پٹی میں گلیشیئر پائے جاتے ہیں۔ یہیں ''بامِ دنیا'' (سطح مرتفع پامیر) واقع ہے۔ افغانستان کے شمال میں آمو دریا (جیحون) کے ساتھ ساتھ میدان ترکستان ہے جہاں ترک (ازبک) اور تاجک آباد ہیں۔ شمال مشرقی پہاڑی علاقہ اور وسطی سطح مرتفع سردیوں میں سخت سرد اور مغرب میں سیستان کا نشیبی علاقہ گرمیوں میں سخت گرم ہوتا ہے۔



مخلوط نظامِ تعلیم



حافظ شبیر صدیق ریسرچ فیلو دارالسلام

انسانی زندگی میں تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کسی بھی قوم یا معاشرے کی ترقی کا راز تعلیم میں پنہاں ہوتا ہے۔ دین اسلام معاشرے کے ہر فرد کے تعلیم یافتہ ہونے کا خواہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جا بجا اہل علم کے فضائل کو بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد سب سے پہلے اس کی تعلیم کا بندوبست کیا۔ اسی علم کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرمایا۔

جہاں تعلیم کی اہمیت مسلم ہے وہاں یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اچھی تعلیم کے لیے اعلیٰ نظامِ تعلیم کا ہونا بھی لازمی اور ضروری ہے۔ اگر نظامِ تعلیم پسماندہ اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ نہ ہو تو ایسا نظامِ تعلیم کسی بھی معاشرے کے لیے ایک ناسور ثابت ہوتا ہے۔ اعلیٰ نظامِ تعلیم کی ایک بنیادی شق یہ بھی ہے کہ طلبہ اور طالبات کے لیے الگ الگ تعلیمی اداروں کا بندوبست کیا جائے۔ آج کل غیر مسلم این۔ جی۔ اوز اور ان سے متاثر بعض مسلم این۔ جی۔ اوز اس بات پر مُصِر ہیں کہ مخلوط نظامِ تعلیم کو رائج کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے صرف یونیورسٹی اور پرائیویٹ پرائمری اسکولوں میں مخلوط نظامِ تعلیم رائج تھا مگر اب حکومت پنجاب کی جانب سے یہ نوٹیفکیشن جاری کیا گیا ہے کہ تمام اسکولوں میں مخلوط نظامِ تعلیم جاری اور مخلوط سٹاف تعینات کیا جائے۔

دین اسلام معاشرے کے ہر فرد کو تعلیم کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ البتہ اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ تعلیم کے نام پر فحاشی و بے حیائی کو فروغ دیا جائے۔ تاریخ اسلام میں ایسی خواتین کی طویل فہرست موجود ہے جو اپنے اپنے وقت کی عظیم محدثات تھیں۔ صحابیات میں بھی بہت ساری خواتین ایسی تھیں جنھوں نے نبی ﷺ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عورتوں کی ایک جماعت نبی ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مرد تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں ہمارے مقابلے میں آپ سے کہیں زیادہ مستفید ہوتے ہیں، آپ ہمارے لیے بھی کچھ دن مقرر کریں اور ہمیں تعلیم دیا کریں۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست پر ان کے لیے ہفتے میں ایک دن مقرر کر دیا اور اس دن آ کر ان کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ (صحیح البخاري:101)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ



نبی ﷺ نے عورتوں کے لیے الگ سے دن مقرر کیا تھا نہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہی بٹھا کر ان کو تعلیم دی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری احادیث اور واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ خواتین کے لیے ہمیشہ الگ سے تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔

اسی طرح جب ہم خواتین کے حوالے سے شرعی احکامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عورتوں کو غیر محرم مردوں کے ساتھ اختلاط سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''کوئی بھی مرد کسی غیر عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے، اس لیے کہ جب کوئی مرد کسی غیر عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو اس حالت میں ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

(جامع الترمذي:1171)

شریعت نے عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنے سے بھی سختی سے منع فرمایا ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔'' وہاں موجود ایک صحابی نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں ایک غزوے میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میری بیوی اکیلی حج پر جانا چاہتی ہے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جاؤ (یعنی وہ اکیلی حج پر نہ جائے بلکہ تم غزوے میں شریک ہونے کے بجائے اس کے ساتھ سفرِ حج کرو۔)''

(صحيح البخاري: 1862)

ان احادیث سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دین اسلام کس قدر سختی سے ایک لڑکی کو غیر محرم لڑکوں کے ساتھ اختلاط سے منع فرماتا ہے۔ دین اسلام کا عورتوں کے حوالے سے اس قدر سخت حکمت عملی اختیار کرنا اختلاط کی وجہ سے سر اٹھانے والے فتنوں کی سرکوبی کے لیے ہے۔

مخلوط نظامِ تعلیم سے جو فتنے آئے دن سر اٹھا رہے ہیں وہ کسی بھی صاحب بصر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ آج خصوصاً نوجوان نسل جو بے راہ روی کا شکار ہے وہ اسی نظامِ تعلیم کی پیداوار ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ یونیورسٹی میں نئے داخل ہونے والے طلبہ و طالبات کو پہلے دن ہی یہ سبق دیا جاتا ہے کہ آئندہ تمھیں گھل مل کر رہنا ہے۔ الگ الگ سیٹوں پر چپ سادھے بیٹھے رہنے کے بجائے آپس میں (لڑکوں اور لڑکیوں کا) گپ شپ کا ماحول پیدا کرنا ہے۔

مخلوط نظامِ تعلیم کے نقصانات میں سرِفہرست ہماری سماجی قدروں کی ٹوٹ پھوٹ ہے۔ طلاق ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ طلاق کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو سرفہرست ہمارا مخلوط نظامِ تعلیم ہے۔ یونیورسٹی لائف میں جن لڑکوں اور لڑکیوں کے آپس میں تعلقات اور گپ شپ ہوتی ہے، شادی کے بعد بھی وہ بحال رہتے ہیں۔ شادی کے بعد بھی لڑکی بذات خود اپنے بوائے فرینڈ، جس نے اسے خیالات کی دنیا میں سبز باغ دکھائے ہوتے ہیں، سے رابطہ برقرار رکھتی ہے یا پھر بوائے فرینڈ کی طرف سے اسے بلیک میل کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے رابطہ بحال کرنا پڑتا ہے۔ مسئلہ تب کھڑا ہوتا ہے جب یہ بات اس لڑکی کے شوہر کے علم میں آتی ہے۔ اگر اس کا شوہر دین دار اور شریف النفس ہے تو فطری بات ہے کہ وہ اس تعلق کو برداشت نہیں کرے گا۔ آخر کار معاملہ لڑائی جھگڑے سے شروع ہو کر طلاق پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ یہی معاملہ لڑکے کا ہے جب وہ شادی کے بعد یونیورسٹی لائف کی گرل فرینڈ سے رابطہ بحال رکھتا ہے۔ ایک دین دار اور شریف طبع لڑکی اپنے شوہر کے اس طرزِ عمل کو کبھی تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھے گی۔ آخر کار نتیجہ طلاق کی صورت میں نکلتا ہے۔

گویا کہ ہمارا معاشرہ جو اس پیچیدہ مسئلے کا شکار ہے یہ سب ہمارے اس مخلوط نظامِ تعلیم کا کیا دھرا ہے۔ مخلوط نظامِ تعلیم میں طلبہ اور طالبات محبت کے نام پر آپس کے جو تعلقات قائم کرتے ہیں ان کی بدولت مستقبل میں پچھتاوے کے سوا کچھ ان کے ہاتھ نہیں آتا۔

وطن عزیز میں فحاشی و عریانی جو اتنے عروج پر ہے، یہ بھی مخلوط نظامِ تعلیم ہی کی کارستانی ہے۔ آئے دن اخبارات میں جو ریپ کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں وہ ہمارے اسی نظامِ تعلیم کا شاخسانہ ہیں۔ مخلوط نظامِ تعلیم کے سبب طلبہ و طالبات میں زنا آسان اور عام ہو چکا ہے۔ والدین کو کچھ خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان کی بیٹی ایسے نظامِ تعلیم میں کیا ''گل'' کھلا رہی ہے۔ والدین خوش ہیں کہ ہماری بیٹی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ اس بات سے شاید وہ بے



خبر ہیں کہ ان کی بیٹی اعلیٰ تعلیم کے نام پر مخلوط نظامِ تعلیم میں معاشرے کی ''اعلیٰ اقدار'' کا ''جنازہ'' نکال رہی ہے۔

آپ کسی بھی وقت کسی ایسے تعلیمی ادارے کا دورہ کریں جہاں مخلوط نظامِ تعلیم رائج ہو، وہاں آپ کو جا بجا لڑکوں اور لڑکیوں کی ٹولیاں نظر آئیں گی جن میں خوب گپ شپ اور مسکراہٹوں کا تبادلہ ہو رہا ہوگا۔ عموماً آپ کو ایسی ٹولیوں میں زبانی گفتگو کے ساتھ ساتھ حیا سے عاری ہاتھوں کی حرکات بھی نظر آئیں گی جن کو ایک شریف آدمی دیکھ کر پانی پانی ہوجائے۔ اگر ان لڑکوں اور لڑکیوں کا آپس میں رشتہ معلوم کیا جائے تو کلاس فیلو یا پھر اس ''شیطانی محبت'' کے علاوہ ان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا جس محبت کے وہ دعوے دار ہوتے ہیں۔ بیٹی اگر گھر تاخیر سے پہنچتی ہے تو والدین کے پوچھنے پر کلاس کے دیر تک ہونے، سہیلی کے ہاں جانے یا یونیورسٹی ہی سے متعلق کسی کام کا بہانہ بنا لیتی ہے۔ مگر افسوس! ان کو کیا علم کہ ان کی بیٹی تو مخلوط نظامِ تعلیم کی بھینٹ چڑھی ہوئی ہے اور کلاس کے بعد اپنے کسی کلاس فیلو، یونیورسٹی فیلو یا اکیڈمی فیلو کے ساتھ پتہ نہیں کہاں کہاں گھومتی رہی اور کیا کرتی رہی ہے۔

ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ لڑکی یونیورسٹی میں داخلے کے بعد لڑکوں سے دوستی یا کم از کم گپ شپ نہ کرے تو ایسا ناممکن ہے۔ اگرچہ ہمیں ان کی اس بات سے کلی اتفاق نہیں تھا مگر پھر بھی ننانوے فیصد اتفاق ضرور تھا۔ سو میں سے کوئی ایک لڑکی ہی ایسی ہوتی ہوگی جو اللہ کی توفیق سے اپنے آپ کو اس فتنے سے محفوظ رکھ پاتی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''عورت سراسر چھپائے جانے کی چیز ہے۔ جب یہ اپنے گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے (ورغلاتا ہے) اور عورت اللہ تعالیٰ کے قریب اس وقت ہوتی ہے جب یہ اپنے گھر کے اندر ہو۔'' (جامع الترمذي:1173)

اس حدیث سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مخلوط نظامِ تعلیم کس قدر مہلک ہے۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان تو اس عورت کے بارے میں ہے جو اپنے گھر سے باہر کسی راہ پر چل رہی ہوتی ہے، اس عورت کے بارے میں فرمایا کہ شیطان اسے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیا شیطان ان لڑکیوں پر اپنے وار نہیں چلاتا ہوگا جو ایک طویل عرصہ لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں گزارتی ہیں؟ ان کی کرسیاں پاس پاس یا آمنے سامنے ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی ہوتی ہیں۔ کیا لڑکے بار بار ان کی طرف نہیں جھانکتے ہوں گے؟ کیا لڑکے یونیورسٹی میں چلتی پھرتی لڑکیوں کو ورغلانے کی کوشش نہیں کرتے ہوں گے؟ یقیناً یہ سب کچھ ہے اور کوئی بھی صاحبِ بصیرت اس سے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔

آج سے تین سال قبل کی بات ہے۔ ہمارے ایک دوست نے بتایا کہ کراچی کی ایک معروف یونیورسٹی میں مَیں نے خود اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں ہی ایک لڑکے اور لڑکی کو آپس میں منہ کالا کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں یونیورسٹی کے ہی اسٹوڈنٹ تھے۔ یہ صرف کراچی ہی میں نہیں پورے ملک کے مخلوط تعلیمی اداروں میں اس سے ملتی جلتی صورت حال ہے۔ بہر حال ایسی یونیورسٹیاں اور کالج ایسے لوگوں کے منہ پر طمانچہ ہیں جو تعلیم کے نام پر ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔

جدید ایجاد ''موبائل'' نے اس نظام میں مزید خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔ اب تو کلاس میں بیٹھے ہوئے بھی لڑکے اور لڑکی کی بذریعہ میسج بات چل رہی ہوتی ہے اور استاد کو خبر تک نہیں ہوتی۔

لڑکوں کا اپنی کلاس فیلو یا یونیورسٹی فیلو کی موبائل میں تصویر بنا کر اس کو بلیک میل کرنے کے اکثر واقعات سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس نوع کی بلیک میلنگ مخلوط نظامِ تعلیم کے باعث روز افزوں ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ امتحانات میں لڑکیوں کا رزلٹ لڑکوں کی نسبت بہتر ہوتا ہے۔ جب اس حوالے سے سوال اٹھایا جائے تو تقریباً ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ لڑکوں کی اکثریت کا دھیان پڑھائی پر کم اور لڑکیوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک عام سی بات محسوس ہوتی ہے لیکن اگر سنجیدگی سے اس پہلو کو دیکھا جائے تو مخلوط نظامِ تعلیم ایک بہت بڑا فتنہ ہے جس کی وجہ سے جہاں نوجوان نسل تعلیمی میدان میں پیچھے جا رہی ہے، وہیں اخلاقی



اعتبار سے بھی پستی میں گرتی جارہی ہے۔

مخلوط نظام تعلیم کی وجہ سے ایک دین دار اور شریف النفس لڑکی کا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بہت مشکل ہو چکا ہے۔ اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کو لفٹ نہ کرائے تو اس پر عجیب عجیب بول بولے جاتے ہیں۔ ایسی لڑکیوں کو دیکھ کر ان پر عجیب قسم کی آوازیں کسی جاتی ہیں۔ مخلوط ماحول میں لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹیاں مارنا تو ایک معمول بن چکا ہے۔ گویا کہ اگر کوئی لڑکی اپنی، اپنے والدین اور خاندان کی عزت کا تحفظ اور دفاع کرتی ہے تو اسے بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دینِ اسلام کے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور اعلیٰ روایات پر قائم رہنے کے لیے اسے مخلوط نظامِ تعلیم کی خاردار جھاڑیوں میں بہت زیادہ بچ بچاؤ کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔

مخلوط نظام تعلیم جس طرح طلبہ و طالبات کے فتنوں میں مبتلا ہونے کا سبب ہے اسی طرح تعلیمی اداروں میں میل، فی میل سٹاف کے حوالے سے بھی عجیب قسم کے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں۔

ہمیں صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں یہ تو ضرور ملتا ہے کہ صحابہ کرام یا تابعین بعض مسائل دریافت کرنے کے لیے اہل بیت میں سے کسی فرد کو ازواج مطہرات کے پاس بھیجا کرتے تھے، مگر یہ کہیں نہیں ملتا کہ ازواج مطہرات یا کسی اور صحابیہ نے باقاعدہ طور پر مردوں کو تعلیم دینے کے لیے کلاسز کا اجرا کیا ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے غیر محرم مرد اور عورت کو خلوت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے جو ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں خیالات اور جذبات ابھارتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں ذرا اس بات کو تصور میں لائیں کہ جب سٹاف روم میں میل اور فی میل سٹاف میں سے کوئی خلوت میں ہوتے ہوں گے تو کیا شیطان ان پر اپنے حربے نہیں آزماتا ہوگا۔ یقیناً آج نہیں تو کل ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں غلط خیالات کا جنم لینا ایک فطری بات ہے۔

ہمارے آفس کے ہی ایک بھائی نے بتایا کہ لاہور کے ایک معروف اور مہنگے ترین کالج میں فرانسیسی زبان پڑھانے کے لیے ایک فرانسیسی خاتون ٹیچر کو تعینات کیا گیا۔ اس ٹیچر کو اپنے کسی شاگرد ہی کے ساتھ عشق ہو گیا۔ اور پھر اس کا جو نتیجہ نکلا اللہ کی پناہ!

ہمارے گاؤں کے ایک شخص نے بتایا کہ گاؤں میں لڑکوں کے اسکول میں دو لیڈی ٹیچرز کو تعینات کیا گیا تھا۔ ان کے آنے کے بعد اکثر مرد استاد ان کمروں کے اردگرد ہی گھومتے رہتے تھے جن میں ان کا پیریڈ ہوتا تھا۔

حال ہی میں حکومت پنجاب کی جانب سے یہ نوٹیفکیشن جاری ہوا ہے کہ تمام گورنمنٹ بوائز اسکولوں میں فی میل ٹیچرز بھی تعینات کی جائیں۔ اس نوٹیفکیشن پر عمل درآمد بھی شروع ہو چکا ہے۔ یہ ایک نیا فتنہ ہے جو حکومت پنجاب کی جانب سے کھڑا کیا جا رہا ہے۔ یقیناً یہ عمل کہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کو یکجا کر دینا اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ قوم کو اس فتنے سے محفوظ فرمائے۔

اگر حکومت پاکستان ''پڑھے لکھے پاکستان'' کے دعوے میں مخلص ہے تو پھر موجودہ نظامِ تعلیم کو درست کرنا ہوگا۔ مخلوط نظامِ تعلیم کے بجائے طلبہ اور طالبات کے لیے الگ الگ تعلیمی ادارے قائم رکھے جائیں۔ طلبہ کے لیے ٹیچرز مرد اور طالبات کے لیے خواتین ٹیچرز تعینات کی جائیں۔ پاکستان کے ترقی یافتہ ممالک میں شامل ہونے کی یہی صورت ہے کہ مخلوط نظامِ تعلیم کو ختم کیا جائے تاکہ نوجوان نسل صحیح طرح تعلیم حاصل کرے اور محنت کر کے ترقی کی منازل کو طے کرے۔

یاد رکھیں اگر اس نظامِ تعلیم کو درست نہ کیا گیا تو وہ وقت دور نہیں جب تعلیم کے نام پر قائم یہ ادارے مغربی ممالک کی طرح قحبہ خانوں میں بدل جائیں گے۔ ان اداروں میں آنے والے طلبہ و طالبات قوم کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے کے بجائے قوم کے لیے ناسور ہوں گے۔

اگر ہمارا نظامِ تعلیم یہی رہا تو جان لیں نسلِ نو اپنی پہچان کھو بیٹھے گی۔ مخلوط نظامِ تعلیم کے بسبب ہمارا خاندانی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پیدا ہونے والی نئی نسل کو اپنے حقیقی والدین کی پہچان تک نہ ہوگی۔ یورپی ممالک میں کنواری ماؤں کی بہتات اس کی بیّن مثال ہے۔

یہ کیسا اسلام ہے؟؟؟

اللہ تعالیٰ پاکستان پر رحم کرے ،اسلام دشمن عناصر ایک کے بعد دوسری چال چلتے ہیں۔ پاکستان میں غیر ملکی ایجنٹ پہلے ایک حرکت کرتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث ہوتی ہے، اس کے بعد اخبارات اور ٹی وی پروگراموں میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ یہ کیسا اسلام ہے؟ مثلاً: پہلے امریکہ میں ایک فضول فلم بنائی گئی۔ پاکستان میں جب لوگ احتجاج کرنے کے لیے گھروں سے نکلے تو غیر ملکی ایجنٹوں نے بنکوں کو لوٹا،عمارات کو آگ لگائی اور اس طرح اربوں روپے کا نقصان کر دیا۔ جس سے ایک طرف اسلام دشمنوں کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کا موقع ملا اور دوسری طرف توہین رسالت کے مسئلہ سے سب کا دھیان ہٹ گیا۔ اب ایک بچی ملالہ پر اپنے ایجنٹوں سے حملہ کروایا، اس کے بعد میڈیا پر پھر طوفان کھڑا ہوگیا،یہ کیسا اسلام ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم کو دوست دشمن میں تفریق کرنے کی توفیق دے۔

ایٹمی تجربات

عالمی سطح پر 67 برسوں میں آٹھ ممالک کی جانب سے دو ہزار ستاون ایٹمی تجربات کیے گئے ہیں، جن میں سے 1023 تجربات امریکا نے کیے۔ اس طرح وہ ایٹمی تجربات کرنے والے ممالک میں سرفہرست ہے۔ روس سات سو پندرہ ایٹمی تجربات کے ساتھ دوسرے نمبر پر۔ امریکہ نے1945ء میں پہلا ایٹمی تجربہ کرکے عالمی سطح پر ایٹمی دوڑ کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق 2057 ایٹمی تجربات میں سے پچاس فیصد تجربات کرنے کے ساتھ امریکا پہلے، روس دوسرے، فرانس تیسرے، برطانیہ اور چین چوتھے اور پانچویں نمبر پر ہیں۔

یورپین یونین میں ''جھٹکا حلال گوشت'' کے لیے قانون سازی

یورپی یونین نے ممبر ممالک کو کہا ہے کہ وہ یکم جنوری 2013ء سے جانوروں کو بجلی کے کرنٹ سے ''دُسن'' کرکے ذبح کرنے کے لیے



قانون سازی کریں۔ جن یورپی ممالک میں یہ قانون یکم جنوری2013ء نافذ ہوگیا ان ممالک کے مسلمانوں کو اس دن سے جھٹکا حلال گوشت ہی ملے گا۔ مسلمانوں کی تنظیموں نے ایسے گوشت کو حلال نہیں حرام قرار دیا ہے۔ یورپی یونین میں ہونے والی قانون سازی کے تحت رکن ممالک کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ یکم جنوری2013ء سے جانوروں کو''دُسن'' کرکے ذبح کریں ۔تاہم اس سلسلے میں رکن ممالک کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اس قانون پر عمل درآمد کے لیے اپنے ممالک میں قانون سازی کرسکتے ہیں۔ جانوروں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیموں نے حلال گوشت کی مخالفت کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی مختلف تنظیموں نے جھٹکا حلال کے طریقے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب جانور کو کرنٹ دیا جائے گا تو اسی وقت اس کی موت واقع ہوجائے گی اس کے بعد اس کو ذبح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

جرمنی: ختنہ پر پابندی

جرمنی میں ایک عدالت نے ختنہ کرنے والے ایک ڈاکٹر کے خلاف فیصلہ دیا تھا کہ ختنہ کی روایت انسانی جسم کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ یہ مسئلہ میڈیا میں وہاں بہت

اچھالا گیا۔ جرمن چانسلر انجیلا مرکل نے اچھا دلچسپ بیان دیا تھا کہ ہم ختنے پر پابندی لگا کر لوگوں کو جرمنی پر ہنسنے کا موقع نہیں دے سکتے۔ جرمنی میں چالیس لاکھ سے زائد مسلمان اور دو لاکھ سے زائد یہودی آباد ہیں۔ جرمنی کی کابینہ نے ملک میں ختنہ کی اجازت دینے کا بل منظور کرلیا ہے جسے اب منظوری کے لیے پارلیمان میں پیش کیا جائے گا۔

یہودی متواتر مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کر رہے ہیں

یہودی ماہ اکتوبر میں کئی بار بلا جواز مسجد اقصیٰ میں گھس آئے۔ اسرائیلی فوجیوں نے مسجد اقصیٰ میں نماز کی ادائیگی کے لیے آنے والے فلسطینی شہریوں پر حملہ کرکے چھ افراد کو حراست میں لے کر نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا ہے۔ اس موقع پر فوجیوں کی مسلمانوں سے جھڑپ بھی ہوئی۔ دوسری جانب فلسطینی شہریوں نے انتہا پسند یہودیوں کا ایک گروہ مسجد اقصیٰ میں داخلے سے روک دیا۔ فلسطینی نمازیوں نے قبلہ اول میں داخل ہونے والے صہیونی پولیس اہلکاروں کی پٹائی بھی کی۔ ایک اور خبر کے مطابق اسرائیلی قصبے رام اللہ (رملہ) میں مسلم کمیونٹی کے ایک رہنما محمد تاجی ایک مسجد میں پراسرار طور پر مردہ حالت میں پائے گئے۔ پولیس ذرائع کے مطابق مسلمان رہنما کے جسم پر تشدد کے نشانات ہیں۔

فرانس: حکومت کو ہر طرف اسلامی انتہا پسند نظر آتے ہیں

فرانس کے وزیر داخلہ نے اس بات کا امکان ظاہر کیا کہ ملک میں مزید اسلامی انتہا پسندوں کو گرفتار کیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ حکومت جلد ہی ملک میں ان سینکڑوں جنگجوؤں کے خلاف کریک ڈاؤن کرے گی جنھوں نے ملک میں یہودیوں کے خلاف مہم کا آغاز کر رکھا ہے۔

سزائے موت کے خلاف پروپیگنڈا

اسلامی تعلیمات کے مطابق قتل کا بدلہ قتل ہے لیکن آج کل پوری دنیا میں سزائے موت کو وحشیانہ سزا قرار دینے کے لیے مہم جاری ہے۔ ہر سال دس اکتوبر کو دنیا میں سزائے موت کے خلاف عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اِس وقت دنیا کے 140 ممالک میں سزائے موت نہیں دی جارہی ہے۔

اس وقت پاکستان میں آٹھ ہزار سے زائد قیدی سزائے موت کے منتظر ہیں، یہ وہ ظالم لوگ ہیں جنھوں نے دوسروں کی جان بے دردی سے لی۔ اب یہ کہا جارہا ہے کہ ان کو مارنے سے مقتول واپس تو نہیں آجائے گا، اس لیے انھیں آزاد کر دیا جائے۔ 2011ء میں دنیا بھر میں سب سے زیادہ سزائے موت پاکستان میں سنائی گئی ہے لیکن ایک فیصلے پر بھی عمل نہیں ہوا۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سزائے موت کے منتظر 44 فیصد مجرم پاکستان میں ہیں۔ کچھ ممالک سزائے موت کے اعداد و شمار جاری نہیں کرتے، مثلاً: چین، بیلا روس، منگولیا اور ویت نام۔ بھارت میں گزشتہ سات سال اور پاکستان میں تین سال سے سزائے موت پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔

شام میں خانہ جنگی اسرائیل کے مفاد میں

روسی قونصل جنرل آندرے نے شام کے معاملے میں اپنی ایک حالیہ بریفنگ میں کہا کہ روس دوسرے ملک میں غیر ملکی مداخلت کے خلاف ہے اور شام میں غیر ملکی مداخلت ہو رہی ہے۔ ان سے سوال کیا گیا: کیا شام کے تین حصوں میں تقسیم ہوجانے کا خطرہ ہے؟ اس پر آندرے کا کہنا تھا کہ اگر شام کو تقسیم کیا جاتا ہے تو پھر فائدہ اسرائیل ہی کو ہوگا۔ اور فلسطین کی آزادی کا خواب گم ہوکر رہ جائے گا۔

بکری کا بچہ اور روٹی

ایک دفعہ امام اعمش رحمہ اللہ نے اپنے ساتھی سے کہا: ”کیا تمھیں موٹا تازہ بکری کا بچہ اور بہترین تازہ روٹیاں سرکے کے ساتھ کھانے کی خواہش محسوس ہو رہی ہے؟“ ساتھی بولا: ہاں۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے ساتھی کی بات سن کر سوکھی روٹی اور سرکہ سامنے رکھ دیا۔ ساتھی بولا: ”وہ بکری کا بچہ اور وہ تازہ روٹیاں کدھر ہیں؟“ ”میں نے یہ نہیں کہا کہ بکری کا بچہ اور وہ روٹیاں میرے پاس ہیں، میں نے صرف پوچھا کہ تمھیں کھانے کی خواہش محسوس ہو رہی ہے کہ نہیں۔“ امام اعمش رحمہ اللہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

(محاضرات الأدبا، ص: 2120)